ماہ نامہ

نقوشِ راہ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

April 2019

ملک کا سیاسی نظام و تحریک اسلامی کے لیے خطوط

کیا رام کو نبی مانا جاسکتا ہے؟

شعبان، فضیلت، عبادات اور رسومات

خطیب اقصیٰ کی وفات

خواتین اسلام کی بہادری

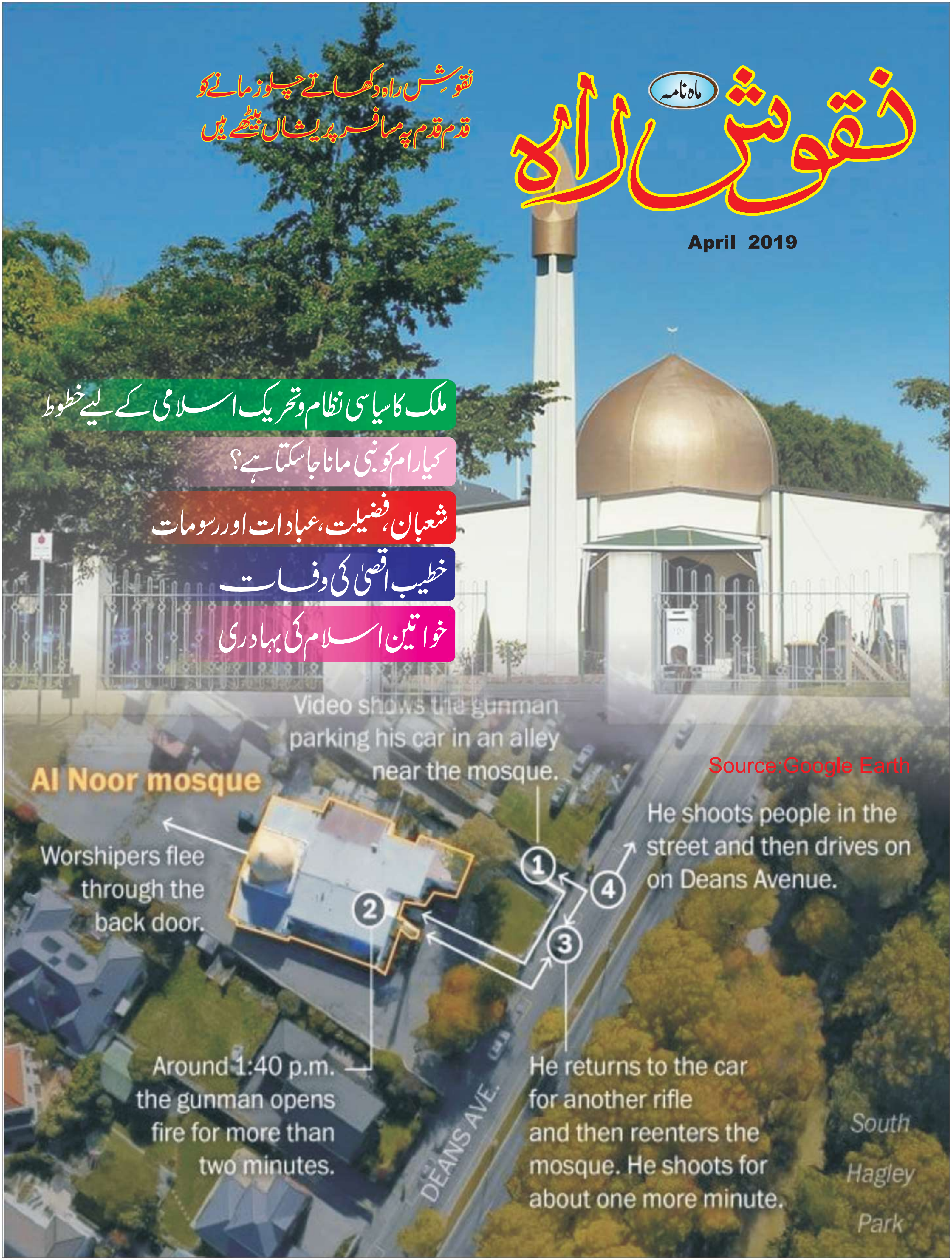

فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اِذَاخَرَجَ الدجَّالُ کانَ النَّاسُ ثَلَاثَ فِرَقٍ وَفِرْقَةٌ تُشَايِعُهٗ وَاَكْثَرُ مَنْ يّشَايِعُه مِنَ الْمُصَلّيْنَ اَصحابُ الْعِيَالِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا لَنَعْرِفُ ضَلَالَتَهٗ وَلٰكِنْ لَا نَسْتَطِيْعُ تَرْكَ عِيَالِنَا، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كَانَ مِنْهُ۔

جب دجال آئے گا تو لوگ تین جماعتوں میں تقسیم ہو جائے گے۔اس میں ایک جماعت اس کے ساتھ شامل ہو جائے گی۔اس کی حمایت کرنے والے اکثر وہ لوگ ہوں گے۔جو نماز پڑھنے والے آل واولاد والے ہونگے اور وہ کہیں گے کہ ہم اچھی طرح اس (دجال) کی گمراہی کے بارے میں جانتے ہیں لیکن (اس سے بچنے کے لئے یا لڑنے کے لئے) اپنے گھر بار کو نہیں چھوڑ سکتے سو جس نے ایسا کیا وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوگا۔

(عن عمران بن حدیر، السنن الواردۃ فی الفتن اسنادہ صحیح)

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوشِ راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

اپریل 2019ء، رجب المرجب رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

جلد:02 شمارہ:03 Issue:03 Volume:02

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

منہاج الاسلام فلاحی

معاون ایڈیٹر

جاوید سوسن

مجلس ادارت

زبیر مرزا — سید ریحان

معاذ احمد جاوید — محمد مبشر

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

فہرست مضامین

اداریہ	ڈاکٹر محمد وجیہ القمر	04
درس قرآن	ابن مظفر	05
شعبان، فضیلت، عبادات اور رسومات	زبیدہ عزیز	07
کیا رام کو نبی مانا جاسکتا ہے؟!!	منہاج الاسلام فلاحی	12
موجودہ سیاسی نظام اور تحریکِ اسلامی کے لئے خطوط	صدرالدین اصلاحی	15
وہی چراغ بجھ گیا جس کی لو قیامت تھی	عبدالغفار عزیز	16
وید کی قدامت	اکبر شاہ نجیب آبادی	20
کمیونسٹ کے شبہات	سید حامد علیؒ	23
نیوزی لینڈ: پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نا جائے گا	ڈاکٹر سلیم خان	26
مسجد پر حملہ: مغرب کی ہزار سالہ دہشت گردی کا تسلسل	شاہنواز فاروقی	24
الجزائر: تبدیلی کی لہر	مسعود ابدالی	56
مثبت سوچ: حقیقت اور زندگی پر اس کے اثرات	مبین الرحمن	36
اقبالیات	ابن سلطان	38
مسلمان خواتین کی بہادری	سلیمان ندویؒ	39
گوشۂ اطفال: بڑا آدمی کون؟	بشیر جمعہ	41
ہماری سرگرمیاں		42

زرِ تعاون

فی شمارہ: -/20

سالانہ: -/220

Printer, Publisher and Owned by **Shaikh Nisar Shaikh Chand** Printed at Super Priting Press Telipur chowk Akola Published at 1st Floor ,opposite Basera Apartment Subhash chowk akola 444001

Editor:**Shaikh Nisar Shaikh Chand**

اداریہ

ملک میں الیکشن کی گہما گہمی ہے۔ ۲۰۱۹ء کے الیکشن کی اہمیت بہت زیادہ بتا کر مسلمانوں کو بی جے پی کا خوف دلایا جارہا ہے اور ان سے کہا جارہا ہے کہ ووٹ ضرور ڈالیں۔ سیکولرزم اور جمہوریت کو بچانے کے لیے وہ میدان عمل میں کود پڑیں۔ ووٹ کو'شہادت' کی حیثیت دی جارہی ہے اور یسا لگتا ہے کہ'شہادت علی الناس' کا فریضہ اسی سے ادا ہوجائے گا۔ ووٹ دینا بھارت کی اسلامی شریعت میں فرض قرار دے دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ووٹ دینا اگر'شہادت' یا'گواہی' ہے تو کس طرح کی گواہی دینے کی بات اسلام کرتا ہے؛ جھوٹی یا سچی؟ ایک طرف تو یہ بات تقریباً ہر کوئی مانتا ہے کہ بھارت میں سارے نیتا کرپٹ ہیں الِا ماشاء اللہ اور دوسری طرف ووٹ کو شرعی فریضہ قرار دے کر ان ہی کرپٹ لیڈران کو منتخب کرنے کی بات بھی کہی جاتی ہے۔ یعنی کرپٹ لوگوں میں سے ایک کو ووٹ دو لیکن ضرور دو۔ اب ایک عام مسلمان بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جھوٹے لوگوں کے بارے میں یہ گواہی دینا کہ وہ سچا اور امانت دار ہے، خود ایک جھوٹی گواہی ہے۔ اور اگر ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ سچا یا امانت دار ہے تو جھوٹے یا کرپٹ لوگوں کو منتخب کر کے ہم کیسے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ غیر جانب دارانہ یا منصفانہ سیاست کریں گے؟!!! ہمیں ٹھہر کر سوچنا چاہئے کہ آخر کرپٹ لوگوں کو چن کر ہم بھارتی سیاست کو صحیح رخ پر لا سکتے ہیں؟؟

ووٹ کو اگر شرعی فریضہ مان بھی لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز اور روزہ یا فرائض میں سے اس کی حیثیت کچھ کم ہے؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کچھ شرائط اور حدود وقیود بھی ہیں یا ہر طرح کی قید سے آزاد ہو کر ووٹ دینا فرض ہے؟ مثلاً نماز فرض ہے تو اس کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں یا جو چاہے جیسے چاہے نماز پڑھ لے۔۔۔ پاک ہو یا ناپاک، ساتر ہو یا غیر ساتر، امام مسلم ہو یا کسی کافر کو ہی امام بنالیا گیا ہو اور جدھر چاہے رخ کرلیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ؟

کچھ لوگوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ ہماری شرکت اگر موجودہ اسمبلی یا پارلیمنٹ میں نہیں ہوگی تو ملت اسلامیہ ایک شدید نقصان سے دوچار ہوگی، یہاں تک کہ انہیں اپنے ایمان اور جان، مال، عزت، آبرو سب سے ہاتھ دھونا پڑے گا؟ ایسے لوگوں سے سوال ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جب مسلمان زیادہ تھے تو کیا انہوں نے فسادات کو رکوالیا تھا یا مسلمانوں کے کتنے مسائل حل کردیے تھے۔ ہمیں اس پہلو سے غور کرنا چاہیے کہ دارالندوہ میں مسلمانوں کی شرکت کے لیے رسول اکرم ﷺ نے کوئی پلاننگ کی تھی کیا؟؟؟

ہم کس فرد یا کس پارٹی کو ووٹ دیں؟ آخر یہ شرعی مسئلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جس پر ہمارے علماء فتوے دے رہیں ہیں، الیکشن کو فرقہ وارانہ رنگ پکڑنے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے جب کہ اس ملک کے ذرے ذرے میں فرقہ فرستی بھری ہوئی ہے، کیا اس فرقہ پرستی کی ذمہ دار یہاں کی سیاسی پارٹیاں نہیں ہیں؟

کیا کانگریس، سماج وادی پارٹی یا دوسری سیاسی پارٹیاں فرقہ وارانہ سیاست نہیں کرتیں؟ بابری مسجد میں تالا لگوانا، پھر تالا کھلوانے سے لے کر بابری مسجد کی شہادت تک کہ تمام مراحل کو سیکولر کانگریس نے ہی طے کیا، ٹاڈا اور پوٹا جیسے قوانین جس کا شکار صرف مسلمان ہوئے کانگریس کی ہی دین ہے، مظفرنگر فسادات مُلّا ملائم کی سیکولر دور حکمرانی کے ہی تحفے ہیں۔ ان تمام کے باوجود ان کے سیکولرازم پر کوئی فرق نہیں پڑتا، ہماری دینی وملی جماعتیں آج بھی ان کے سیکولر ہونے پر ایمان رکھتی ہیں۔

کیا صرف ووٹ دے کر مسلمانوں کے مسائل حل ہوجائیں گے؟ مسلم سیاسی پارٹیاں یا افراد Common Minimum Agenda طے کر کے کچھ نکات پر متفق کیسے ہوں؟ ایک ہی مقام سے کئی کئی مسلم کنڈیڈیٹ کھڑے نہ ہوں؟ آخر ووٹ ڈالنے کا فتویٰ دینے والے حضرات اس کی کوششیں کیوں نہیں کرتے؟ شاید اس لیے نہیں کرتے کیوں کہ فتویٰ دے کر ان کا مقصد کچھ پارٹیوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ عام حالات میں تو ہم سارے انسانوں کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں اور انسانیت انسانیت کی تسبیح پڑھتے ہیں لیکن الیکشن آتے ہی ہم ہندو مسلم یا بی جے پی وغیر بی جے پی کیوں شروع کردیتے ہیں؟ الگ الگ پارٹیوں کو ووٹ دینے کی وجہ سے ایک محلہ یا شہر میں مسلمان خود اس طرح لڑ پڑتے ہیں جیسے کہ ان کی ازلی دشمنی ہو آخر ہمارے علماء و دانشوران اس کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ مسلمانوں میں اس طرح کی دشمنی پیدا نہ ہونے پائے بعض دفعہ تو یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ خود علماء و دانشوران ہی اس نفرت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ مسلم سیاسی پارٹیاں تو دور مسلم تنظیمیں بھی اس طرح کے سوالات کے جوابات دینے سے قاصر رہتی ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنے اصل مقصد وجود اور امت مسلمہ کے اصل فرض منصبی سے غافل ہوگئے ہیں، اسلام کے اصولِ عروج وزوال ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، پاکیزہ اور منصفانہ سیاست کے اصول ومبادی سے، ہم واقف نہیں ہیں یا کم واقف ہیں۔ یاد رکھیے ہم اپنے فرض منصبی'شہادت علی الناس' کو طاق پر رکھ کر دنیا میں کام یابی وکامرانی کی منزل کو نہیں پہنچ سکتے اور جنت کا حصول تو ناممکن ہے۔

جتنی محنتیں اور طاقتیں ہم اپنے مال ودولت کو بچانے اور بڑھانے کے چکر میں الیکشن میں حصہ لینے یا ووٹ دینے کے لئے صرف کرتے ہیں۔۔۔ کاش ہم اتنی محنت اللہ کے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے کرپاتے!!! اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

درسِ قرآن

ابن مظفر

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

کٓہٰیٰعٓصٓ (۱) ذِکرُ رَحمَتِ رَبِّکَ عَبدَہٗ زَکَرِیَّا (۲) اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا (۳) قَالَ رَبِّ اِنِّی وَھَنَ العَظْمُ
مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا (۴) وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ
عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا (۵) یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَ اجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا (۶)

ترجمہ:

ک۔ہ۔ی۔ع۔ص ذکر اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔اس نے عرض کیا: ”اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اورسر بڑھاپے سے بھڑک اُٹھاہے۔اے پروردگار،میں کبھی تجھ سے مانگ کر،نامراد نہیں رہا۔مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے ،اورمیری بیوی بانجھ ہے۔تومجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کردے۔جومیرا وارث بھی ہواورآل یعقوب علیہ السلام کی میراث بھی پائے اور اے پرودگار،اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

تشریح:

حضرت زکریا علیہ السلام طویل عمر کو پہنچ چکے ہیں اور ضعیفی کے تمام آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔کوئی اولاد بھی نہیں کیوں کہ بیوی بانجھ ہیں۔اس حالت میں صرف ایک فکر دامن گیر ہے اور وہ یہ کہ آلِ یعقوب کی وراثت کو کون سنبھالے گا؟ یہ وراثت مال ودولت کی نہیں بلکہ دین کی وراثت تھی ۔ اقرباء اور رشتہ دار تو تھے لیکن وہ صرف مال و دولت کے ہی وارث بن سکتے تھے توحید و رسالت کے نہیں۔ بلکہ ان کی روش سے

ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس دین کے دشمن ہیں۔اسی اندیشے نے حضرت زکریا علیہ السلام کی تشویش کو مزید بڑھا یا تھا۔

☆حضرت زکریا علیہ السلام کو ضعیفی میں صرف ایک فکر کھائے جا رہی تھی کہ آل یعقوب کے دین کا وارث کون ہوگا؟اس دین کا ضامن کون ہوگا؟اس دین کو آئندہ جاری کون رکھے گا۔اس بے چینی میں وہ بار بار خدائے تعالیٰ کے حضور دعا کرتے تھے کہ انہیں ایک وارث عطا کر جو اس دین کو قائم رکھ سکے۔بقول امام رازیؒ ایسا ولی جو کہ اقامت دین کے کام کو تقویت دے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اس بات کیلئے فکر مند تھے کہ اقامت دین کے مشن کا وارث کون ہوگا؟انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی مشن میں لگا دی تھی۔ اپنی زندگی دین کی اقامت میں لگا کر مطمئن ہو جانا انبیاء وصلحاء کا کام نہیں ہوتا بلکہ انہیں اس کی فکر بھی دامن گیر ہوتی ہے کہ میرے بعد کون اس کام کا نگراں ومحافظ ہوگا،بطور خاص اس وقت جب کہ اخلاف نا اہل ہوں۔

☆حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے اقرباء سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد وہ اس دین کے دشمن ہو جائیں گے لہذا وہ بارگاہ الٰہی میں ایک صالح وارث کی دعا کرتے تھے۔یہ دعا وہ چپکے چپکے کرتے تھے بقول ابن عباسؓ ''اَسَرُّوْهُ وَاَخْفُوْهُ مِنْ قَوْمِه''یعنی ان کی قوم کے لوگ اتنے غیر صالح تھے کہ زکریاؑ ولی صالح کی دعا بھی ان سے مخفی رکھ کر مانگا کرتے تھے۔حالات کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆دین کی محافظت واشاعت کرتے کرتے موت کا آجانا ایک بڑی نعمت تو ہے لیکن جو لوگ خاص ہوتے ہیں،یعنی جنہوں نے اپنی زندگی اس دین کی بقا میں لگائی ہوتی ہے،ان کے لئے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ وہ اس کی بھی فکر کریں کہ ان کے بعد اس دین کا کیا ہوگا۔ان پر لازم ہے کہ وہ ایسے وارثین واخلاف چھوڑ جائیں جن پر انہیں یہ اعتماد ہو کہ وہ ان کے اس مشن کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھیں گے بلکہ اسے مزید جاری وساری وفعال کریں گے۔ایسے وارث تیار کرنا اور ایسے وارث کی تمنا کرنا انبیاء کرام کا مشن رہا ہے۔یہی مشن ان لوگوں کا بھی ہونا چاہئے جو آج اپنی ساری زندگی اقامت دین اور غلبہ اسلام کی کوششوں میں صرف کر رہے ہیں۔آج غلبۂ اسلام کی کوشش کرنے والے حضرات اپنی پوری زندگی تو اس مشن میں لگا دیتے ہیں،لیکن جب اولاد کی باری آتی ہے تو انہیں اس مشن سے دور رکھنا چاہتے ہیں کیوں کہ انہیں اپنے اولاد کی معاشی ومادّی استحکام کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔اس طرح مخلص ترین تحریکی کارکنان بھی اپنے آخری ایام میں مال واولاد کے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں جس کے سبب اس انبیائی مشن کا کافی نقصان ہوتا ہے۔

اسلامک یوتھ فیڈریشن IYF

ہمارا نصب العین

''انفرادی واجتماعی زندگی میں اسلام کے نفاذ کے ذریعہ اللہ کی رضا کا حصول۔''

قرآن پاک نے ہمیں بتایا ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کے ارمان اور زندگی کے مقاصد مختلف ہوا کرتے ہیں۔کچھ لوگوں کو مقصد عیش وعشرت کا سامان اکٹھا کرنا اور لذت وفرحت کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ہوتا ہے۔

''اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے پیتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانا ہے۔''

لیکن اللہ تعالیٰ مومنین کو تمام مقاصد سے دور رکھ کر اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے تیار کرتا ہے اور وہ یہ ہے:''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو،اور نیک کام کر،شاید کے تم کو فلاح نصیب ہو۔اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حکم ہے ان نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ''مسلم'' رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا نام یہی ہے)۔تا کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔پس نماز قائم کرو،زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔وہ ہے تمہارا مولا،بہت ہی اچھا ہے وہ مولا اور بہت کی اچھا ہے وہ مددگار۔(سورہ الحج:77،78)

شعبان، فضیلت، عبادات اور رُسومات

زبیدہ عزیز

شعبان المعظّم قمری کیلنڈر کا آٹھواں مہینہ ہے، جو رجب اور رمضان کے درمیان آتا ہے۔ اس مہینے میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ شعبان وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بعد سب سے زیادہ روزے رکھے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان فرماتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے آپؐ کو شعبان کے علاوہ کسی مہینے کے اتنے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: رجب اور رمضان کے درمیان یہ وہ مہینہ ہے جس کی فضیلت سے لوگ غافل ہیں۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں اعمال رب العالمین کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ پس میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کیے جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔

(سنن النسائی، کتاب الصیام، حدیث: ۲۶۲۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شعبان کے پورے مہینے میں اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے کسی ایک دن کو مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔

اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان اور رمضان کے علاوہ پے در پے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (ترمذی، ابواب الجمعة، ابواب الصوم عن رسول الله، باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان، حدیث: ۷۰۰)

اُم المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے چلے جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے آپؐ روزہ رکھنا نہ چھوڑیں گے، اور آپؐ روزے چھوڑتے چلے جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ کبھی روزہ نہ رکھیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا اور میں نے آپؐ کو شعبان کے علاوہ کسی مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ (بخاری، کتاب الصوم، باب صوم شعبان، حدیث: ۱۸۸۰)

ان احادیث سے ماہِ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ تاہم، پورے شعبان کے روزے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مختص تھے، جب کہ امت کو نصف شعبان کے بعد عمومی طور پر روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ وہ افراد اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایام بِیض یا پیر اور جمعرات کے روزے رکھتے ہوں یا گذشتہ رمضان کے قضا روزے رکھنا چاہتے ہوں۔ (سنن ابن ماجہ)

شعبان اور شب برائت

نصف شعبان کی رات عمومی طور پر شبِ برأت کے نام سے منائی جاتی ہے جس کی کوئی دلیل قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے۔ نیز اس کی فضیلت کے بارے میں کسی روایت میں بھی لیلۃ البرائۃ کا نام نہیں ملتا۔ برأت کے لفظی معنی اظہار بیزاری کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (التوبہ ۹:۱) اعلانِ برأت ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے۔

اس آیت مبارکہ میں برأت کا لفظ مشرکین مکہ سے بیزاری کے اظہار کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بالفرض اس لفظ کو اس رات کی وجہ تسمیہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون کس سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے اور اس کا نصف شعبان کی رات سے کیا تعلق ہے؟

نصف شعبان کی رات اور نزولِ قرآن:

بعض لوگ نصف شعبان کی رات کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے سورۃ الدّخان کی ان آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝۳ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ (الدخان ۴-۳:۴۴) ہم نے اِسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے، کیوں کہ ہم

لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ وہ رات تھی جس میں ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ان آیات میں لیلۃ مبارکۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہی ہے یا اس سے مراد کوئی اور رات ہے؟ لیلۃ مبارکۃ کے بارے میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس نے اسے مبارک رات میں نازل فرمایا اور مبارک رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ "بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا"۔ (القدر ۹۷:۱) اور یہ لیلۃ القدر رمضان کی رات تھی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا"۔ (البقرہ ۲:۱۸۵) (تفسیر ابن کثیر، ص ۴۰۸)

ابن کثیرؒ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ القدر ہے نہ کہ نصف شعبان کی رات۔ کیوں کہ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ کی ایک رات کا نام ہے۔ نیز لیلۃ القدر ہی وہ رات ہے جس میں تمام امور کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق بھی لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیان کیا کہ آپؐ اس لیے نکلے کہ ہمیں شبِ قدر کے بارے میں بتائیں۔ اتنے میں دو مسلمان لڑ پڑے تو آپؐ نے فرمایا: "میں تمھیں شب قدر کے بارے میں بتانے کے لیے نکلا تھا لیکن فلاں فلاں کے لڑنے سے بھول گیا اور شاید تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اس کو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ میں تلاش کرو"۔ (بخاری)

اُم المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے اور فرماتے: "رمضان کے آخری عشرے میں شب قدر تلاش کرو"۔ (بخاری)

سورۃ الدخان کی آیات کی تفسیر اور صحیح احادیث مبارکہ سے لیلۃ القدر کے رمضان میں ہونے کی وضاحت کے بعد یہ دعویٰ درست نہیں کہ لیلۃ القدر نصف شعبان کی رات ہے یا لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکۃ دو مختلف راتیں ہیں۔

نصف شعبان کی رات اور عبادات:

نصف شعبان کی رات کے حوالے سے بعض عبادات کا اہتمام کیا جاتا ہے جو شرعاً ثابت نہیں ہیں۔ یہ عبادات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد کی ایجاد ہیں۔ صحابہ کرامؓ امت کے بہترین لوگ تھے۔ اگر اس طرح کی عبادات پسندیدہ ہوتیں تو وہ ان کو اپنانے میں پہل کرتے۔

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں: "نصف شعبان کی رات میں اہل شام کے تابعین میں سے خالد بن معدان، مکحول اور لقمان بن عامر وغیرہ بڑی محنت سے عبادت کرتے تھے۔ انھی تابعین سے لوگوں نے اس رات کی تعظیم اور فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن میں بصرہ کے کچھ عبادت گزار تھے، مگر علماء حجاز کی اکثریت نے اس کا انکار کیا۔ جن میں امام مالک، عطاء ابن ابی ملیکہ اور دیگر فقہاء مدینہ شامل تھے۔ سب ہی نے اسے بدعت کہا"۔

عبادات کے لیے مخصوص دنوں اور راتوں کا ذکر واضح طور پر قرآن اور احادیث میں ملتا ہے۔ مثلاً محرم الحرام میں یوم عاشورہ، عشرہ ذوالحجہ، یومِ عرفہ، یوم النحر، ایام تشریق، ماہ رمضان، لیلۃ القدر، یوم جمعہ، ایام بیض، یعنی ہر قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ وغیرہ مگر شب برأت کی عبادت کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔

اَلصَّلاَۃُ الْاَلْفِیَّۃُ: نصف شعبان کی رات کی جانے والی ایک عبادت اَلصَّلاَۃُ الْاَلْفِیَّۃُ ہے۔ یہ سو رکعت نماز ہے اور ہر رکعت میں سورۃ الاخلاص دس مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح سورۃ الاخلاص کی کل تعداد ایک ہزار مرتبہ ہو جاتی ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں اس نماز کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ لوگ غروب آفتاب سے کچھ پہلے ہی مساجد میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ فرض نمازیں ادا نہ کرنے والے بھی یہ نماز پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ اس رات کی برکت سے ان کے سابقہ تمام گناہ اور خطائیں معاف ہو جائیں گی اور ان کی عمر، کاروبار اور رزق میں برکت ہو جائے گی۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں کوئی مخصوص نماز نہیں پڑھی اور نہ خلفاء راشدینؓ ہی نے اور نہ ائمہ دین امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، اور امام لیثؒ میں سے کسی نے اسے قبول کیا ہے۔

اس بارے میں جو روایات منقول ہیں بالاتفاق تمام اہلِ علم اور محدثین کے نزدیک موضوع ہیں۔ اس کی ابتدا کے بارے میں علامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں: ”ہمارے ہاں بیت المقدس میں نہ صلوٰۃ الرّغائب (جو رجب کے مہینے میں پہلے جمعہ کو ادا کی جاتی ہے) کا رواج تھا، نہ صلوٰۃِ شعبان کا۔ صلوٰۃ شعبان کا رواج ہمارے ہاں سب سے پہلے اس وقت ہوا جب ۴۴۸ھ میں ایک شخص ابن ابی الحمراءؒ نابلس سے بیت المقدس آیا۔ وہ بہت اچھا قرآن پڑھتا تھا۔ وہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کھڑا ہوا۔ اس کی حسنِ قراءت سے متاثر ہو کر ایک شخص اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا، پھر ایک اور پھر ایک اور، اس طرح کافی لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ دوسرے سال بھی پندرھویں شعبان کی شب آیا اور حسب سابق لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر سال بہ سال اسی طرح ہوتا رہا اور یہ بدعت زور پکڑ گئی، بلکہ گھر گھر پہنچ گئی اور اب تک جاری ہے“۔

ملّا علی قاری صَلاۃُ الاَلفِیہ کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کہتے ہیں کہ: نصف شعبان کے روزے کی فضیلت میں مجھے کوئی صحیح اور مرفوع حدیث نہیں ملی۔ (تحفۃ الاحوذی، ج ۳، ص ۵۰۵)

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے اضافے اصل دین میں ہوتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ دین کا حصہ بن جاتے ہیں، یوں دین اسلام کی اصل شکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

☆ سلامی روزہ: استقبالِ رمضان کے طور پر، سلامی روزہ شعبان کے آخر میں رکھا جاتا ہے۔ یہ روزہ نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا اور نہ کسی اور کو رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب نصف شعبان باقی رہ جائے تو اس کے بعد روزہ نہ رکھو“۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”رمضان سے ایک یا دو دن پہلے کوئی شخص روزہ نہ رکھے، البتہ وہ شخص جو اپنے معمول کے مطابق روزے رکھتا آ رہا ہے وہ رکھ سکتا ہے“ (بخاری)۔ یعنی کسی کا فرض روزہ رہتا ہو تو وہ رکھ لے یا وہ شخص جو پیر یا جمعرات کے مسنون روزے رکھتا ہے اور وہ دن رمضان سے پہلے آ رہے ہوں تو ایسا شخص روزہ رکھ سکتا ہے۔

☆ مخصوص اذکار و حلقے: نصف شعبان کی رات لوگ مسجدوں میں حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں اور ہر حلقے کا ایک ذمہ دار ہوتا ہے۔ دیگر افراد ذکر اور تلاوت میں اس کی اقتداء کرتے ہیں، مثلاً کلمہ طیبہ یا دوسرے اذکار کو خاص طرز اور ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہ خود ساختہ اعمال ہیں جن کی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے۔

نصف شعبان کی رات اور مختلف رسومات:

☆ قبرستان جانا: نصف شعبان کی رات کے بارے میں ایک بات مشہور کر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات بقیع کے قبرستان تشریف لے گئے اور دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل روایت پیش کی جاتی ہے:

اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے پاس ہوتی تو آخرِ رات میں بقیع (قبرستان) کی طرف نکلتے اور کہتے: سلام ہو تم پر اے گھر والو مومنو! جس کل کا تم سے وعدہ تھا کہ تمھارے پاس آنے والا ہے، وہ تمھارے پاس آ چکا اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔ (مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یُقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حدیث ۱۶۷۱)

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصف شعبان کی رات کو خاص طور پر قبرستان جانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ صرف یہ پتا چلتا ہے کہ آپؐ اپنے معمول کے مطابق قبرستان گئے تھے۔

☆ قبر پر لکڑی گاڑنا: قبر پر لکڑی گاڑ کر مُردے کے حسب حال کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور اس سے باتیں کی جاتی ہیں، دعائیں اور گریہ وزاری کی جاتی ہے۔ ان اعمال کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆ روحوں کی واپسی: بعض لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خاندان کی میّتوں کی روحیں اس رات اپنے گھر آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ ان کے لیے کیا پکایا گیا ہے۔ چناں چہ لوگ مٹھائیاں، حلوے اور دیگر اشیا بنانے کا اہتمام کرتے ہیں اور انہیں گھروں میں مخصوص مقامات پر رکھا جاتا ہے تا کہ میّت کی روح وہاں آ کر خوش ہو۔ اس طرح گھروں کو صاف کیا جاتا ہے۔ یہ من گھڑت اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ کیوں کہ قرآن اور سنت کے مطابق نیک روحیں عِلّیین میں اور بری روحیں سجّین میں ہوتی ہیں۔ ان روحوں کا یہ حصار توڑ کر دنیا میں آ جانا گویا اللہ کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں

آتا ہے:

وَمِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (المومنون۲۳: ۱۰۰) اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے، دوسری زندگی کے دن تک۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک شبِ برأت کے موقعے پر ختم کی رسم ادا نہ کی جائے تو میت کا شمار مردہ میں نہیں ہوتا اور اس کی روح معلق رہتی ہے۔ یہ بھی ایک غلط عقیدہ ہے جس کا ثبوت قرآن مجید یا احادیث مبارکہ میں نہیں ملتا۔

☆ مُردوں کی عید: بعض لوگ نصف شعبان کو مُردوں کی عید کہتے ہیں۔ ان کے مطابق عید الفطر زندوں کی عید، جب کہ شب برائت مُردوں کی عید ہے۔ اگر کوئی مرجائے تو شب برأت کی فاتحہ دلائے بغیر کوئی خوشی کا دن نہیں منایا جاسکتا۔ یہ بھی ایک من گھڑت بات ہے۔

☆ حلوہ پکانا: نصف شعبان کے دن حلوہ پکا کر تقسیم کرنا بھی ایک ضروری امر بن چکا ہے اور اس فعل میں عوام کی اتنی بڑی تعداد شامل ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تو ان کو حلوہ بنا کر کھلایا گیا۔ حالاں کہ جنگِ اُحد شوال میں ہوئی اور حلوہ شعبان میں پکایا جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت اویس قرنیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع میں دانت شہید کیے اور انھوں نے حلوہ کھایا۔ اس روایت میں بھی کوئی صداقت نہیں ہے۔ اس طرح کی بے بنیاد باتوں کی ایک طویل فہرست پائی جاتی ہے۔

☆ چراغاں و آتش بازی: گھروں، چھتوں، مسجدوں، درختوں اور قبرستانوں وغیرہ پر چراغاں کرنا، قندیلیں روشن کرنا، پٹاخے چھوڑنا، آتش بازی کرنا اور پوری رات اس کھیل تماشے کے ساتھ جاگ کر گزارنا، نصف شعبان کی رات میں ایک معمول بن چکا ہے۔ یہ ہندوؤں کی دیوالی اور مجوسیوں کی آتش پرستی کی نقل کے سوا کچھ نہیں ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم اقوام کی مشابہت سے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

مَنۡ تَشَبَّہَ بِقَوۡمٍ فَھُوَ مِنۡھُمۡ (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشّھرۃ، حدیث ۳۵۳۰) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انھی میں سے ہے۔

ضعیف روایات:

نصف شعبان کی رات کی فضیلت سے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ نہایت ضعیف ہیں جن سے استدلال کرنا کسی طور درست نہیں، مثلاً:

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ماہِ رمضان کے بعد کس ماہ میں روزہ رکھنا افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ماہِ رمضان کی تعظیم میں شعبان کا روزہ۔ پھر دریافت کیا کہ کس ماہ میں صدقہ وخیرات کرنا افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ماہِ رمضان میں صدقہ کرنا۔

امام ابن الجوزی نے اس روایت کو صحیح نہیں کہا کیوں کہ اس کا ایک راوی صدقہ بن موسیٰ درست نہیں۔ ابن حبان نے کہا کہ صدقہ جب روایت کرتا ہے تو حدیثوں کو الٹ دیتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے کہا کہ محدثین کے نزدیک صدقہ، قوی نہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت ابو ہریرہؓ کی صحیح حدیث کے مخالف ہے جس میں بیان ہے کہ ماہِ رمضان کے بعد افضل روزہ محرم کا ہے۔

☆ اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا۔ میں آپؐ کی تلاش میں نکلی تو دیکھا کہ آپؐ بقیع میں ہیں۔ مجھے دیکھ کر نبی اکرمؐ نے فرمایا: کیا تو اس بات کا خوف کھاتی ہے کہ تجھ پر اللہ اور اس کے رسول ظلم کریں گے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے سمجھا کہ آپؐ کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ماہِ شعبان کی نصف شب کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو ہم حجاج کی سند سے جانتے ہیں اور میں نے امام بخاریؒ سے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام دارقطنیؒ نے کہا: یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے اور اس کی سند مضطرب ہے اور غیر ثابت ہے۔ علامہ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

موضوع روایات:

بہت سی روایات تو 'موضوع' یعنی من گھڑت ہیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا بھی گناہ ہے۔ مثلاً

☆ رجب اللہ کا مہینہ ہے، اور شعبان میرا مہینہ ہے، اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔

حافظ ابوالفضل بن ناصرؒ نے اس کے ایک

راوی ابوبکر نقاش کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دجال اور حدیث گھڑنے والا ہے۔ ابن وحیہؒ، علامہ ابن الجوزیؒ، علامہ صغانیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

☆اے علیؓ! جو شخص نصف شعبان کو سو رکعت نماز پڑھے اور اس کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص دس مرتبہ پڑھے۔ اے علیؓ! کوئی بندہ نہیں ہے جو ان نمازوں کو پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت اور ضرورت کو جو وہ اس رات مانگے پوری کر دیتا ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے میں مجھے کوئی شک و تردد نہیں ہے اور اس حدیث کے تینوں طُرق (طریقوں) میں مجہول اور انتہائی درجے کے ضعیف راوی ہیں۔ علامہ ابن القیمؒ، علامہ سیوطیؒ اور علامہ شوکانیؒ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔

☆جو شخص نصف شعبان کو بارہ رکعت نماز پڑھے جس میں ہر رکعت میں (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) تیس بار پڑھے تو وہ نماز مکمل کرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے گا۔

علامہ ابن القیمؒ، علامہ سیوطیؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ اس کے راویوں میں ایک پوری جماعت مجہول لوگوں کی ہے۔

☆حضرت علیؓ بن ابو طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نصف شعبان ہو تو تم اس رات قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو، کیوں کہ اس دن اللہ تعالیٰ غروبِ آفتاب کے بعد آسمانِ دنیا میں نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ہے مغفرت کا طلب گار کہ میں اسے بخش دوں! کوئی ہے روزی کا خواست گار کہ میں اسے روزی دوں! کوئی ہے مصائب کا گرفتار کہ میں اسے عافیت دوں اور کوئی ہے ___ اور کوئی ہے ___ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔

علامہ بوصیریؒ کے مطابق اس کے راویوں میں ابو بکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ ہے، جس کے بارے میں امام احمدؒ، ابن معینؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

خلاصۂ بحث:

ان روایات کے مطالعے کے بعد بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جشنِ شبِ برأت اور اس میں کی جانے والی عبادات کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام عبادات کا اصل مقصد اللہ کی خوشنودی اور رضا کا حصول ہے۔ ہمیں بالکل اختیار نہیں کہ ہم خود سے دین میں، کسی عبادت کو کسی خاص وقت یا طریقے سے متعین کر لیں، جس کا حکم اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں نہیں دیا۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم اللہ کے دین کو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو نامکمل سمجھنے کی عظیم غلطی کر رہے ہیں اور ایک بدعت کے مرتکب ہو رہے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: پھر میں تمھارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرما لیا۔ (الشعراء ۴۲: ۲۱)

لہٰذا ضروری ہے کہ جس وقت، طریقے، تعداد اور انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی، یا کرنے کا حکم دیا ہے، ہم ان کو اسی طرح ادا کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (الحجرات ۴۹: ۱)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہر نیا کام (دین میں داخل کرنا) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں جانے والی ہے۔ (النسائی، کتاب صلوٰۃ العیدین، کیف الخطبۃ، حدیث ۱۷۶۷)

عبادات میں آپؐ کے طریقے کی من و عن پیروی میں ہی ہماری دین و دنیا کی کامیابی اور اُخروی نجات کا دارومدار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ رسولؐ تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (الحشر ۵۹: ۷)

ایسی بہت سی غیر تحقیق شدہ باتیں ہمارے دین میں داخل ہو چکی ہیں۔ اکثر جہالت، لاعلمی یا نادانی کے سبب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور بعض اوقات جانتے بوجھتے غلو کرتے ہوئے ایسا کیا جاتا ہے۔ ان سے اجتناب بہت ضروری ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑا اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (بخاری، کتاب العلم، باب اِثم من کذب علی النبی، حدیث: ۱۰۶)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصل دین پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (از ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۱۸ء)

کیارام کو نبی مانا جاسکتا ہے؟!!

منہاج الاسلام فلاحی

قوموں کے عروج وزوال میں ان کے قائدین اورارباب حل وعقد کا کردار بڑا ہی اہم ہوتا ہے۔آج اگر ہم عالم اسلام کی یا اپنے ملک میں امت کی بدحالی ومظلومیت کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس زبوں حالی کی بڑی وجہ مضبوط وبااخلاق قیادت کا نہ ہونا ہے۔بابری مسجد کے مسئلہ میں قیادت کی طرف سے ’رام‘ کو نبی کہہ کر مسجد کو ہنود کہ حوالے کردینے کی بات علمی ،فکری واخلاقی دیوالیہ پن کی ایک بڑی مثال ہے۔جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری قیادت صرف اپنے ادارے اوراداروں کے لئے چندہ حاصل کرنے کے ذرائع کا تحفظ چاہتی ہے۔انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں کے ان کے قول وعمل سے عقائد اسلامی ،نظریات اسلامی اوراحوال اُمت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

آیئے فی الحال ہم اس پر غور کریں کہ کیا ’رام کرشن جیسے شخص کے متعلق‘ جس کی بداخلاقی و بدکرداری کی داستان خودان کی کتابوں میں بھری پڑی ہے۔نبی ہونے کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کا حوالہ دے کر آج کچھ نام نہاد دانش وران رام وکرشن کو نبی تسلیم کرنے کی بات کرتے ہیں۔وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد:۷)

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر:۲۴)

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ (نحل:۳۶)

وَمَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (شعراء:۲۰۸)

☆ سورہ رعد کی آیت کے آخری جزُ لکل قوم ھاد سے اتنے بڑے مسئلہ کی تخریج کرنا اوررام وکرشن کو اس پر قیاس کرنا حیرت انگیز بات ہے۔مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں کئی آراء نقل کی ہیں۔ان میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ ہرقوم کا ایک قائد،ہادی و نبی ہوتا ہے،جو لوگوں کو صحیح راہ کی طرف بلاتا ہے۔لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت نے لکل قوم ھاد کی تفسیر اس مکمل آیت کے سیاق میں ہی کی ہے۔

بعض نے اس سے مراداللہ تعالیٰ کو لیا ہے۔اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ اے نبیؐ! یہ جس بڑی نشانی کا مطالبہ تجھ سے کررہے ہیں،تو اس مطالبے پر تم پریشان نہ ہو۔تم توصرف ڈرانے والے ہو،ہدایت دینا تمہارا کام نہیں۔ہرقوم کو ہدایت دینے والی ایک ذات ہے اوروہ اللہ تعالیٰ ہے۔

☆ بعض مفسرین نے یوں تفسیر کی کہ اے نبیؐ! تم ان کے مطالبے پر افسردہ نہ ہو،تم انہیں ڈرانے والے ہواورتم ہرقوم کے لئے ہادی بنا کر بھیجے گئے ہو(ظاہر ہے آنے والی تمام اقوام اس سے مراد ہیں)۔

☆ اسی طرح سورہ فاطر کی آیت میں بھی یہ بات کہی جارہی ہے کہ تم سے قبل بھی ہم نے نذیر بنا کر مختلف اقوام میں بھیجا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ نبوت کا سلسلہ میں نے تم سے شروع کیا

ہے۔ یقیناً تم سے قبل بھی امتوں میں نبیوں کو بھیجا ہے۔

☆ سورہ نحل کی آیت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ جتنے بھی رسول جس امت میں خدا نے بھیجا وہ اس دعوت کے ساتھ آئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

☆ سورہ شعراء کی آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے کسی بھی بستی کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا جب تک اس میں کوئی ڈرانے والا نہ بھیج دیا۔

ان تمام آیتوں میں صرف **لکل قوم ھاد** کے ضمن میں مفسرین کی ایک جماعت نے یہ ضرور لکھا ہے کہ اللہ نے ہر قوم کے لئے ایک ہادی بھیجا۔ امام ماوردیؒ نے تو اس آیت کی تفسیر میں چھ اقوال کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے کچھ کا تذکرہ اوپر گذر چکا۔

سوال یہ ہے کہ پوری آیت کے ایک ٹکڑے سے اس کے سیاق وسباق سے ہٹ کر ایک مفہوم کو ترجیح دینا اور اس کی بنیاد پر اتنے بڑے دعوے کرنا کتنی جرأت کی بات ہے۔

اگر پھر بھی کوئی پوری آیت کے ایک جز **لکل قوم ھاد** سے اجتہاد کرکے کسی کو نبی کو تسلیم کرنا ہی چاہتا ہے تو اسے درج ذیل سوالات کے جوابات دینے ہونگے۔

(۱) کسی کو نبی ماننے کے لئے نص صریح کا ہونا ضروری ہے یا نبی ماننے کا مسئلہ اجتہادی ہے؟

(۲) کیا اس طرح نبی کا تعین کرنا خدا پر افتراء نہیں ہے؟ **و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا**۔

(۳) ان آیات میں لفظ قوم اور امة سے کیا مراد ہے ؟ چینی ،ہندوستانی ، آریائی ،دراوڑ ، بنگالی ، زولو وغیرہ ؟ کیا ان تمام کے لئے ایک ایک نبی فراہم کریں گے بذریعہ اجتہاد؟

(۴) پھر صرف رام وکرشن ہی کیوں؟ راون کو دراوڑ قوم کا نبی کیوں نہیں تسلیم کرتے ان کے حق میں بھی کچھ بیانات دیں!!

(۵) آخرایسی بات آج صرف ہندوستان میں کیوں گھڑی جارہی ہے؟ اور وہ بھی تاریخ کے ایسے دور میں جب کہ مسلمان پسپا ہورہے ہیں؟ کیا یہ نام نہاد ہندوا کثریت کی خوشامد کیلئے تو نہیں ہے؟

(۶) برہمنی نظریے کے اعتبار سے رام اور کرشن وشنو کے اوتا رہیں۔ تو کیا وشنو کے دوسرے اوتار مثلاً ورھا، نرسنہا، کوڑما، مسیا کے بارے میں بھی کچھ عرصے بعد ایسا اجتہاد کیا جاسکے گا؟

کیا مختلف اقوام واُمم کو ان کا نبی ڈھونڈ کر دینا **لکل قوم ھاد** کی روشنی میں ندویوں، مدنیوں، فرنگیوں اور دانش وروں کی ذمہ داری بنتی ہے؟!!

آیئے !علماء اکرام کی مزید آراء کا مطالعہ کریں تا کہ بذریعہ اجتہاد انبیا اکرام کی تعیین شاعت مزید واضح ہوسکے۔

محمود الحسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جن انبیا اکرام کے نام نصوص میں آگئے ہیں ان پر علی التعیین ایمان لانا لازم ہے اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں ہے، نہ لازم ہے نہ درست، البتہ کسی کو برا کہنا بھی بغیر دلیل کے درست نہیں۔ **لکل قوم ھاد** سے استدلال تام نہیں۔ کیوں کہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی ہے مبتداء کی۔ پوری آیت ہے **انما انت منذر ولکل قوم ھاد**۔ حضرت نبی ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں (فتاوی محمودیہ جلد اول) مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے بھی کفایت المفتی، جلد اول ر میں یہی لکھا ہے۔

مشہور اہل حدیث عالم نواب وحید الزماں صاحب کے بارے میں ایک صاحب نے لکھا کہ نواب وحید الزماں صاحب نے اپنی کتاب ھدایۃ المھدی ص ۸۵ پر لکھتے ہیں کہ رام چندر، لچھمن ،کرشن، کنفیوشش ،مہاتما بدھ وغیرہ اپنے وقت کے نبی تھے لیکن ان کی بات کا رد کرتے ہوئے خود مشہور اہل حدیث عالم حافظ عبدالقادر روپڑیؒ صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں جن کی کوئی تعیین نہیں انہیں تعین کے ساتھ ہرگز نبی نہیں کہا جاسکتا

(فتوحات اہل حدیث ۱۴۸)۔

ایک مشہور بزرگ خواجہ غلام فریدؒ ہیں۔ انہوں نے اپنے ملفوظات میں فرمایا کہ شری کرشن اور شری رام بھی نبی تھے (مقابیس المجالیس ،ص ۳۸۵)۔لیکن خواجہ غلام فرید کے ملفوظات کا ایک دوسرا مجموعہ فوائد فرید یہ ہے جو ارشادات فریدی کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے۔اس کے حوالے سے ایک بریلوی عالم لکھتے ہیں کہ مقابیس المجالیس کے جامع مولانا رکن الدین ایک جعل ساز انسان تھے۔ یہ مقابیس المجالیس ایک جھوٹی کتاب ہے، جو حضرت خواجہ فریدی کی طرف منسوب کردی گئی ہے۔ درحقیقت یہ کتاب قادیانیوں کی لکھی ہوئی ہے۔ (گستاخ کون؟ص ۱۶۶) آخر میں ایک ہندو مفکر P.S Sudhir Murti کے کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں جنہیں پڑھ کر آپ رام کو نبی بنائے جانے کی پوری سازش سے آگاہ ہوسکیں گے اور رام کے بارے میں ہندو محققین کی آراء ملاحظہ کر کے اس پورے فتنۂ ایجاد انبیاء کی سازش کو سمجھ سکیں گے۔

سدھیر مورتی لکھتے ہیں: ’’احمقانہ حرکتیں بار بار دھرائی جائیں تو اس کی نامعقولیت میں کمی آجاتی ہے، بلکہ وہ عاقلانہ روپ دھار لیتی ہے۔ہندوستان کی اونچی ذات والے اس نفسیات کے استاد ہیں بلکہ اس فن میں پوری دنیا کے امام ہیں۔ برہمنیت صرف اس قسم کے جھوٹ اور جھوٹے پروپیگنڈے کے بھروسے زندہ ہے۔تاریخ کو مسخ کرنا اس سلسلے میں برین واشنگ کا ایک جز ہے۔رام اور کرشن کا خدا بن جانا،محمود غزنویؒ اور اورنگ زیبؒ کو قابل نفرت شخصیت بنا دینا اس کی ایک مثال ہے۔‘‘

ایک جگہ وہ رام اور رامائن کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ M. Wenterenter اور دوسرے عالموں کی رائے یہ ہے کہ والمیکی کی رامائن دوسری یا تیسری صدی قبل مسیح کی تصنیف ہے۔ یہ وہ دور تھا جب کہ پورا ملک بدھ اور جین مت کے زیر اثر تھا، جو ویدکی برتری کو نہیں مانتے تھے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ’’رام کی پوجا کی تحریک سترہویں صدی کے شروعات میں تلسی داس کی لکھی ہوئی رام چرت مانس کی تصنیف کے بعد مضبوط ہوگئی اور ایودھیا رام کی پوجا کا مرکز بن گیا۔بابر کے فراخ دل پوتے اکبر کا دور حکومت رام اور کرشن کی پوجا کے پھیلانے میں بہت مددگار ثابت ہوا۔اس پر امن دور نے ایسا ماحول پیدا کردیا کہ ہر شخص کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی تھی۔بکروں کی قربانی دینے والے اور گوشت خور راجپوتوں کے درمیان سبزی خوری کے پرچار کا موقع میرابائی کو اسی دور میں مل سکا۔ اور صرف ایک ہی غیر آریائی ہندوستانی خدا شیوا کی پوجا کرنے والے راجپوتوں کے درمیان میرابائی سے کرشن بھگتی کے پرچار کا کام ہوسکا۔‘‘ سدھیر مورتی آگے لکھتے ہیں کہ ’’James Talboys Wheeler نے یہ لکھ کر بہت کچھ کہہ دیا کہ رام کا افسانہ ہندومت کی بدھ مت پر فتح کا اظہار ہے۔‘‘

وہ آگے لکھتے ہیں کہ Riddles of Ramayana کے حوالے سے ڈاکٹر امبیڈکر کہتے ہیں کہ ’’مہابھارت کی طرح رامائن بھی تین بار لکھی گئی ہے۔جیسا کہ مہابھارت کے ساتھ ہوا رامائن کے ساتھ بھی حجم بڑھانے کا کام ہوا۔ابتداء میں یہ صرف رام اور راون کے مابین جنگ کی کہانی تھی جو رام کی بیوی سیتا کے راون کے ہاتھوں اٹھالے جانے کے باعث ہوئی تھی۔‘‘

دوسری اشاعت میں اس کے ساتھ وعظ ونصیحت جوڑ دیئے گئے اور ایک سادہ تاریخی کہانی کی کتاب ناصحانہ بن گئی اور اس کا مقصد سماجی ، اخلاقی اور مذہبی فرائض کے اصولوں کی تعلیم بن گیا۔جب یہ تیسری اشاعت کا روپ دھار گئی تو پھر سے مہابھارت کی طرح اس کو من گھڑت قصوں ،اعلیٰ بحثوں ،فلسفوں اور دوسرے فنون وسائنس کا مجموعہ بنا دیا گیا۔

ملک کا موجودہ سیاسی نظام اور تحریکِ اسلامی کے لیے خطوطِ کار

(مولانا صدرالدین اصلاحیؒ)

میرے نزدیک ملک کے موجودہ نظام کے اندر رہتے ہوئے تحریک کے بنیادی خطوطِ کار درج ذیل نکات پر مبنی ہونے چاہئیں:

(۱) تحریک کا اصل مرکزِ توجہ ہر سطح پر دعوت ہی بنائے رکھا جائے۔ (یہاں تربیت اور اندرونی استحکام کا معاملہ زیرِ بحث نہیں ہے، ورنہ اس کی اہمیت تو اپنی جگہ مسلم ہی ہے) اور نیچے سے اوپر تک پوری جماعت بالعموم اسی جدوجہد میں مصروف رہے۔ کیوں کہ تحریک کے اصل نصب العین کی کامیابی موقوف ہے اس بات پر کہ ملک کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد اس نصب العین کی صداقت اور ضرورت پر سچے دل سے مطمئن ہوچکی ہو، اور معلوم ہے کہ ملک میں اس مبارک صورتِ حال کا پیدا ہونا ایک طویل مدت کی بالعموم پُرعزم دعوتی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔

(۲) ایسے غیر دعوتی کاموں سے بالکل دور ہی رہا جائے، جن کو ملک کی مخصوص فضا میں آسانی سے قومی یا فرقہ پرستانہ سمجھ لیا جاسکتا ہو۔ ایسے کاموں میں پڑنے سے فائدہ تو بہت کم ہوگا مگر نقصان پوری طرح وجود میں آجائے گا۔ اور وہ یہ کہ ہماری داعیانہ تصویر خواہ مخواہ غیر مسلموں ہی کی نہیں خود مسلمانوں کی نظر میں بھی غلط ہوجائے گی، یا کم از کم یہ دھندلی پڑ جائے گی اور اس سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہوگی کہ خود ہماری دلچسپیوں کا محور بدلنا شروع ہوجائے گا۔ یہ اس لیے کہ جن غیر دعوتی کاموں کا ذکر ہورہا ہے، ان کے اندر بڑی جذباتی کشش ہوتی ہے پھر یہ کہ بیرونی حلقوں سے بھی ان کے سلسلے میں دادوتحسین حاصل ہوتی رہتی ہے، جب کہ خالص دعوتی جدوجہد کا کام عام طور پر ایک خشک اور بے مزہ کام ہوتا ہے، بڑا صبر اور ریاض چاہتا ہے اور بیرونی حلقوں سے کسی کے بجائے الٹے حوصلہ شکنی اور مخالفتوں کا موجب بنا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں ذہنوں کا متاثر ہوکر دلچسپیوں کے اصل محور کا آہستہ آہستہ بدلتے چلے جانا کوئی غیر متوقع بات ہرگز نہیں ہوسکتی۔

(۳) اپنی طاقت اور توجہ کو بہت سے کاموں میں بانٹ دینے کے باعث اس کا حاصل اتنا نہیں نکل رہا ہے، جتنا نکلنا چاہیے تھا، اس لیے کام کے دائروں کو محدود اور منضبط کیا جانا ضروری ہے۔

(۴) یہاں کی حکومت اور عوام کو تحریک کے بارے میں جو واقعی غلط فہمیاں ہوں، انہیں دور کرنے کی مسلسل کوشش ہوتی رہنی چاہئے۔ اندازہ یہ ہے کہ غلط فہمیاں اچھی خاصی ہیں، حد یہ ہے کہ ان حلقوں میں بھی موجود ہیں، جہاں انہیں بالکل نہ موجود ہونا چاہئے تھا۔ ابھی حال میں ایک ناقد جماعت کا، جو پہلے رکن جماعت بھی رہ چکے ہیں، تحریک پر یہ اعتراض نظر سے گزرا کہ وہ اسلام کے صرف سیاسی نظام کا نعرہ لگانے والی تحریک ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عام باشندگانِ ملک کے ذہنوں میں ہماری کیسی کیسی غلط تصویریں بنی ہوئی موجود ہوں گی۔ لہٰذا ان غلط فہمیوں کی اہمیت کو کم نہ سمجھنا چاہئے، نہ ان کے ازالہ کی فکر سے بے پروا رہنا چاہئے۔ یہاں یہ یاددلانا بھی مناسب ہوتا ہے کہ غلط فہمی کے ازالہ کے سلسلے میں کسی ابہام یا بے اعتدالی سے کام نہ لینا چاہئے۔ حق کا جو صریح تقاضا ہو وہی کہنا چاہئے اور باوقار انداز میں کہنا چاہئے۔

(۵) پانچویں اور آخری بات یہ کہ موجودہ مراحل میں الیکشنی سیاست سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ مجھے اس پر افسوس ہے کہ ہم سے اس معاملے میں بڑی عجلت پسندی ہوگئی ہے اور الیکشن میں شرکت ہمارے یہاں وقت سے بہت زیادہ پہلے ہی بحث کا موضوع بن گئی۔ میرے نزدیک یہ بات کچھ مناسب نہ تھی۔ اس سے ہمیں کافی نقصان پہنچ چکا ہے اور اگر اب معاملہ بحث ومباحثہ سے آگے بڑھ کر خدانہ خواستہ عملی شرکت تک جا پہنچتا ہے تو یہ تحریک کے حق میں بڑا نامبارک اقدام ہوگا۔ مجھے تحریک کے اصل مقصد، خاص مزاج اور بنیادی مصالح سے موجودہ مراحل میں اس الیکشنی طرزِ فکر کا کوئی معقول ربط نظر نہیں آتا۔

وہی چراغ بجھ گیا جس کی لَو قیامت تھی

عبدالغفار عزیز

سرخ و سپید نورانی چہرہ، گردن کو ڈھانپتی ہوئی سفید براق داڑھی، دائمی مسکراہٹ اور بے تکلف شخصیت کے مالک، یہ تھے جناب ڈاکٹر محمد صیام۔ بچپن ہی سے قرآن وسنت اور نیک لوگوں سے تعلق ومحبت نے ان کے لیے رب ذوالجلال کی لازوال نعمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیے۔ پانچ سال تک قبلۂ اوّل مسجد اقصیٰ کے خطیب رہے۔ ۱۵ فروری ۲۰۱۹ء بروز جمعہ سوڈان میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ دُعا اور یقین ہے کہ اللہ کی رحمت نے آگے بڑھ کر استقبال کیا ہوگا۔

جناب ڈاکٹر محمد محمود صیام ۱۹۳۵ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمود صیام کا تعلق فلسطین کے قصبے 'الجورۃ' سے تھا۔ تلاش معاش کے لیے مصر کے صوبہ 'الشرقیۃ' میں جا بسے۔ ایک مصری گھرانے میں شادی ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد والدین نے واپس فلسطین جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اسی دوران فلسطین پر قبضہ کرتے ہوئے اسے صہیونی ریاست اسرائیل بنا دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ بچپن کی وہ تلخ یادیں ان کے دل و دماغ پر نقش تھیں۔ ان کے ساتھ سفر وحضر میں کئی ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا۔ آیئے ان کی کہانی خود انھی کے بیان کیے گئے واقعات کی روشنی میں سنتے ہیں:

میں چھے سال کا تھا جب ہم اپنے والدین کے ہمراہ آبائی گاؤں 'الجورۃ' واپس چلے گئے۔ آئے دن ہمیں سننے کو ملتا تھا کہ یہودی ہمارے گاؤں سمیت پورے ملک پر قبضہ کر کے ہمیں وہاں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ میں بارہ سال کی عمر کو پہنچا تو ایک روز زندگی کے یہ تلخ ترین لمحات دیکھنا پڑ گئے۔ یہودیوں نے ہمارے گاؤں پر قبضہ کرلیا تھا۔ دیگر آبادیوں کی طرح ہمیں بھی فوراً اپنا گھر بار چھوڑ کر وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ اس دور کی تلخ یادوں میں سے ایک یہ ناقابل فہم اور تلخ حقیقت بھی مجھے یاد ہے کہ ہمیں جب اپنے گھروں سے نکالا گیا، اس سے چند روز قبل وہاں مصری فوج کے دستے آئے اور انھوں نے تلاشی لیتے ہوئے تمام شہریوں سے ہر طرح کا اسلحہ ضبط کرلیا۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ کا تحفظ ہم کریں گے لیکن امن وامان کی حفاظت کے لیے آپ لوگ اپنا ہر طرح کا اسلحہ ہمارے پاس جمع کروادیں۔ اسلحہ مصری افواج کو جمع کروا دیے جانے کے بعد صہیونی لشکر آئے اور انھوں نے خوں ریزی کرتے ہوئے ہمیں وہاں سے نکال باہر کیا۔ ہم پر ہر طرف سے فائرنگ شروع کردی گئی تو سارے گاؤں والے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد مجھے ایک اونٹ پر سوار کردیا گیا۔ اس لٹے پٹے قافلے کو مزید خوف زدہ کرنے کے لیے برطانوی فوج کے جہاز انتہائی نیچی پرواز کرتے ہوئے مسلسل ہمارے اوپر سے گزر رہے تھے، تاکہ ہم جلد از جلد اس پورے علاقے سے دور نکل جائیں۔ بعض اوقات جہاز اتنا نیچے آجاتے تھے کہ لگتا تھا، ہمیں اچک کر لے جائیں گے۔ ایک بار جہاز نے نیچے غوطہ لگایا تو میں نے خوف زدہ ہوکر اُونٹ سے چھلانگ لگادی۔ اسی طرح بھاگتے دوڑتے ہم کئی گھنٹے پیدل چلنے کے بعد غزہ شہر جا پہنچے۔ وہاں کئی مہاجر کیمپ قائم ہوچکے تھے۔ ہم بھی ایک مہاجر کیمپ میں چلے گئے۔ ہماری طرح وہاں موجود ہر شخص یہی سوچ اور اُمید رکھتا تھا کہ حملے اور قتل و غارت کے یہ دن جلد ختم ہوجائیں گے۔ ہم سب جلد اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں گے۔ ہم نے اپنے گھروں کی چابیاں سنبھال رکھی تھیں اور ہر کوئی پیچھے رہ جانے والے مویشیوں اور کھڑی فصلوں کے بارے میں فکرمند تھا۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہ و سال میں بدلنے لگے، لیکن فلسطین کے مختلف مہاجر کیمپوں میں بسنے والے لاکھوں فلسطینی باشندوں کو اپنے

علاقوں اور گھروں کو واپس آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہم غزہ کے ایک قصبے 'خان یونس' میں سمندر کنارے واقع ایک کیمپ میں رہ رہے تھے۔ ہمارے بڑوں نے وہیں ہمارے لیے عارضی سکول قائم کردیے تھے۔ ہم اپنے ساتھ ابتدائی کتابوں اور کاپیوں کے علاوہ ایک ایک اینٹ یا پتھر بھی لے کر جاتے تھے تاکہ ان پر بیٹھ کر پڑھ سکیں۔ اس عالم میں بھی ہم صہیونی حملوں سے محفوظ نہیں تھے۔ ان کے جہاز آئے دن ہمارے مہاجر کیمپوں پر بھی فائرنگ کردیتے تھے۔ اسی طرح کے ایک حملے میں ایک دن میرے والد صاحب کو بھی شہید کردیا گیا۔ وہ اس وقت مہاجرین میں کھانا تقسیم کررہے تھے۔

مہاجر کیمپ میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہم نے مختلف ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لینا شروع کردیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان سرگرمیوں کا اہتمام کرنے والوں کا تعلق الاخوان المسلمون سے تھا۔ ہم نے قرآن کریم حفظ کیا۔ ہمیں مختلف کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ جناب احمد یاسین بھی ہمارے ہم جولیوں میں شامل تھے۔ ہم شام کے وقت ساحل سمندر پر دوڑ لگانے اور لمبی چھلانگیں لگانے کا مقابلہ کرتے۔ کبھی یہ بھی ہوتا کہ ایک ساتھی رکوع کے عالم میں کھڑا ہو جاتا، ہم دور سے دوڑ کر آتے اور اسے چھوئے بغیر اس کے اوپر سے کود جاتے۔ کبھی ایک نہیں دو دو اور تین تین نوجوان اکٹھے کھڑے ہوتے اور ہم ان کے اوپر سے چھلانگ لگا لیتے۔ ایک روز اسی طرح کی چھلانگ لگاتے ہوئے ہمارا دوست احمد یاسین گردن کے بل جا گرا، سخت چوٹ لگی۔ ہم اسے اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ پانی گرم کرکے مسلسل ٹکور کرتے رہے، لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا اور بالآخر وہ مفلوج ہوگئے۔ اللہ کی قدرت کہ ایک روز اسی مفلوج شخص نے اللہ کے حکم و توفیق سے پوری فلسطینی قوم کو ایک نئی زندگی دے دی۔

غزہ کے مہاجر کیمپ ہی کی یہ یادیں بھی دل میں تازہ ہیں کہ ہمارے اساتذہ ہمیں تقاریر کی تربیت دیا کرتے۔ کبھی یہ ہوتا کہ کسی چھوٹی کشتی میں سوار ہوکر ہم کھلے سمندر میں چلے جاتے۔ ہمارے اساتذہ ہمیں فی البدیہ تقریر کرنے کے لیے کوئی موضوع دیتے اور کہتے کہ یہ سمندر کی موجیں، موجیں نہیں آپ کے سامعین ہیں۔ آپ نے ان سے خطاب کرنا ہے۔ ہم تقریر کرتے اور ہمارے اساتذہ ساتھ ساتھ اپنا تبصرہ نوٹ کرتے جاتے۔ اس وقت کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ سمندر کی لہروں سے کیے جانے والے یہ خطاب بالآخر قبلۂ اوّل کے منبر پہ خطبات جمعہ کی بنیاد بنیں گے۔

غزہ کے مہاجر کیمپ سے اپنے گھروں کو واپسی تو نہ ہوسکی لیکن ہم کسی طرح وہاں سے نکل کر مصر اور پھر کویت پہنچ گئے۔ وہاں میں نے باقی تعلیم مکمل کی اور تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوگیا۔ ۳۰ سال تدریس کا موقع حاصل رہا۔ پھر مکہ مکرمہ کی اُم القریٰ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لیے اسکالرشپ مل گیا۔ پی ایچ ڈی کرنے کے بعد ہم واپس غزہ لوٹ گئے۔ شیخ احمد یاسین نے وہاں 'اسلامی یونی ورسٹی غزہ' کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ۱۹۸۳ میں مجھے وہاں تدریس اور پھر یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کے طور پر چُن لیا گیا۔

۱۹۸۴ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلۂ اوّل مسجد اقصیٰ میں خطابت کا شرف عطا کردیا۔ مجھے یاد ہے کہ پہلی بار مسجد اقصیٰ کے منبر پر کھڑا ہوا تو دل لرز رہا تھا اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ یہ قبلۂ اوّل ہی نہیں مقبوضہ قبلۂ اوّل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کروایا تھا، لیکن اس وقت پھر صہیونی قبضے میں ہے۔ ہم نے یہاں صرف اللہ کے حضور سجدہ ریز ہی نہیں ہونا، قبلۂ اوّل کی آزادی کے لیے فریضۂ جہاد کو بھی زندہ کرنا ہے۔ مجھے چار برس تک مسجد اقصیٰ میں خطابت کا اعزاز حاصل رہا۔ ۲۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو صہیونی افواج نے اس سے محروم کرتے ہوئے مجھے وہاں سے نکال دیا۔ اس دن خود یہودی سرکاری ذرائع کے مطابق مسجد اقصیٰ میں ۲ لاکھ ۴۰ ہزار اہل ایمان نے نماز جمعہ ادا کی تھی۔ مجھے وہاں سے نکالتے ہوئے یہ بچکانہ الزام لگایا گیا کہ: ''تحریک حماس کی جانب سے جاری ہونے والے بیانات میں لکھتا ہوں''۔

مختلف مجالس میں سنائی گئی اس آپ بیتی سے شیخ محمد صیام کی زندگی کسی حد تک سامنے آجاتی

ہے۔ ان سے ملاقاتوں کے دوران ان کی شخصیت کے کئی دیگر روح پرور پہلو اس تصویر کو مکمل کرتے ہیں۔ اسلامی تحریک کے اکثر ذمہ داران و کارکنان کی طرح شیخ محمد صیام بھی قرآن کریم کا ایک نسخہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب بھی اور جہاں بھی موقع ملتا وہ اس کی تلاوت کرتے ہوئے خالق دو جہاں سے محو گفتگو ہوجاتے۔ یہ بھی کئی بار دیکھا کہ وہ تلاوت مکمل کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر اُمتی کے لیے مغفرت، رحمت اور نصرت کی طویل دُعائیں کرتے۔ اُمت کے مظلوموں کا ذکر ہوتا تو فلسطین، کشمیر، مصر، شام، افغانستان، ہر خطے کا ذکر کرتے۔ اپنے اعزہ و اقارب کا ذکر شروع کرتے تو ماں باپ سے لے کر ان کی نسبت سے ایک ایک رشتے کا ذکر کرتے۔ اس وقت ان کے اساتذہ کی قسمت پر بھی رشک آتا کہ جب وہ ان کا نام لے لے کر انھیں بھی ان پس از تلاوت دُعاؤں میں یاد کرتے۔ آج جب وہ دُعائیں کرنے والی ربانی شخصیت خود دُعاؤں کی محتاج ہوگئی ہے تو یقین ہے کہ اللہ رحیم و کریم نے انھیں بھی دُعائیں کرنے والوں کا ایک عظیم صدقۂ جاریہ عطا کیا ہوگا۔ ان کا ایک بیٹا محمود اور ۸ بیٹیاں تھیں، لیکن ان کے لیے صرف ان کی صلبی اولاد ہی نہیں، ان کی فکری و روحانی اولاد بھی یقیناً دُعا گو ہوگی۔ ڈاکٹر محمد صیام ایک شان دار شاعر بھی تھے۔ ان کے پانچ دیوان (دعائم الحق، ملحمۃ البراعم (۱۰ حصے) میلاد اُمۃ، سقوط الرفاق، دیوان الانتفاضۃ) مقصدیت سے بھرپور شاعری کا قیمتی خزانہ ہیں۔ یہ صرف شعری دیوان نہیں مسئلہ فلسطین کی تاریخ اور سرزمین اقصیٰ کی آزادی کی نوید ہیں۔

اتفاق دیکھیے کہ ۱۵ فروری کو ان کی وفات سے ایک دن پہلے پولینڈ کی دارالحکومت وارسو (Warsaw) میں ایک اہم عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا اہتمام امریکی صدر ٹرمپ نے کیا تھا۔ دنیا کے ۷۰ ممالک کو دعوت دی گئی، جن میں سے ۶۰ شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا عنوان تھا: Peace and Security in the Middle East 'مشرق وسطیٰ میں امن وسلامتی کانفرنس'۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی نائب صدر مائک پنس سمیت اکثر مغربی دانش وروں نے اسے ایک اہم اور تاریخی موقع قرار دیا۔ ان کا ارشاد تھا:

It was a truly historic gathering at the dinner last night Arab and Israeli leaders gathered in the same room to talk about deeply common and shared interests.

یہ کانفرنس واقعی ایک تاریخی اجتماع ہے۔ گذشتہ رات عشائیے میں عرب اور اسرائیلی رہنما ایک ہی کمرے میں اکٹھے تھے تاکہ سب مل کر اپنے اہم ترین مشترک مفادات پر تبادلۂ خیال کرسکیں۔

اس کانفرنس میں اکثر ممالک کی نمائندگی نسبتاً کم درجے کے ذمہ دار کررہے تھے، لیکن اسرائیلی وزیراعظم بن یامین نتن یاہو خود شریک تھا۔ اس نے کانفرنس کے دوران مختلف عرب ذمہ داران و نمائندگان سے الگ الگ ملاقاتیں بھی کیں۔ روس، فرانس اور جرمنی سمیت کئی دیگر اہم ممالک شریک نہیں ہوئے۔ خود فلسطینی اتھارٹی نے بھی اس میں شرکت سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ کانفرنس مسئلہ فلسطین سے کھلواڑ کرنے کے لیے ہے۔ امریکا اور اسرائیل نے دو وجوہ کی بنا پر اسے ایک کامیاب کانفرنس قرار دیا۔ ایک یہ کہ کئی ایسے عرب ممالک جو اس سے پہلے اسرائیلی قیادت کے ساتھ صرف خفیہ روابط رکھے ہوئے تھے، اب ان تعلقات کا کھلم کھلا اعلان کررہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کانفرنس میں ساری دنیا بالخصوص مسلم ممالک کو یہ کہہ دیا گیا کہ خطے کی سلامتی کے لیے اصل خطرہ سرزمین فلسطین پر اسرائیلی قبضہ و مظالم نہیں، ایرانی ''دہشت گردی'' ہے۔

کئی تجزیہ نگار یہ توقع ظاہر کررہے تھے کہ اس کانفرنس میں Deal of the Century صدی کی سب سے بڑی سودے بازی پر مشتمل امریکی منصوبے کا اعلان کردیا جائے گا، لیکن بوجوہ اس کا اعلان نہیں کیا گیا۔ البتہ امریکی صدر کے یہودی داماد اور مشرق وسطیٰ

کے لیے ان کی خصوصی مشیر جیرڈ کوشنر نے اعلان کیا ہے کہ صدی کی اس سب سے بڑی ڈیل کا اعلان ۱۹؍اپریل کو ہونے والے اسرائیلی عام انتخابات کے بعد کیا جائے گا۔

تمام تر امریکی دعوؤں کے باوجود وارسو کانفرنس اپنے شرکا اور نتائج کے لحاظ ہی سے ناکام نہیں قرار دی جارہی بلکہ اس میں کئی اندرونی تنازعے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنی انتخابی مہم کو تقویت دینے کے لیے اسرائیلی وزیراعظم نے خود میزبان ملک پولینڈ ہی کو رگید ڈالا۔ اس نے کہا کہ ''میں یہ بات واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ پولینڈ نے (یہودیوں کے قتل عام میں) نازیوں کا ساتھ دیا تھا۔ ہم تاریخ کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسے نہ کسی کو تبدیل کرنے دیں گے اور نہ مخفی ہی رہنے دیں گے''۔ اس بیان پر پولینڈ کے صدر سمیت مختلف ذمہ داران حکومت نے سخت احتجاج کیا اور دونوں ملکوں کے مابین یہ تنازع مزید تند بیانات کا سبب بن رہا ہے۔

وارسو کانفرنس میں اسرائیلی وزیراعظم اور دس عرب ملکوں کے نمائندگان اکٹھے تھے کہ ڈاکٹر محمد صیام اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اگرچہ دونوں واقعات کا باہم کوئی تعلق نہیں، لیکن ادھر اس کانفرنس کی بازگشت جاری تھی کہ مرحوم کی رحلت پر ان کے وہ بہت سارے اشعار و نظمیں بڑے پیمانے پر مضامین و پیغامات عرب میڈیا کا حصہ بننے لگے کہ جن میں وہ سرزمین اقصیٰ کی یقینی آزادی کا پیغام دیتے ہیں۔ وارسو کانفرنس جیسی عالمی کانفرنسوں کا ذکر ہو یا شیخ احمد یاسین سمیت شہداء فلسطین کی طویل فہرست، خطیب اقصیٰ اس مناسبت سے اپنے جان دار، عوامی شاعری کے ذریعے، اُمت مسلمہ کو قبلۂ اوّل کا پیغام یاد دلاتے ہیں۔ ۹۰ کی دہائی میں بھی اسی طرح کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی تو ڈاکٹر محمد صیام نے اس موقعے پر کئی انقلابی نظمیں کہیں۔ یہ تحریر ان میں سے اکثر کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

قدرے نرم الفاظ میں کہا گیا ایک بند یہ تھا:

يَا أيها العربُ الكِرام

أمَا لهذا اللَّيلِ آخِر

أفيُترَكُ الشَّعبُ الفِلَسطِينِيُّ

فِي الميدانِ حائِر

أين السُّيوفُ اليَعرُبِيَّاتُ

الصَّقِيلاتُ بَواتِر

أتَحَوَّلَت تِلكَ السُّيوفُ

إلى التَّدابُرِ وَ التَّنَاحُر

أم أنَّ وَاعُربَاهُ مَا

عَادَت تُؤَثِّرُ فِي الضَّمائر

[اے معزز عرب حضرات! کیا اس سیاہ رات کا کوئی اختتام نہیں؟ کیا حیران و پریشان فلسطینی عوام کو میدان میں تنہا چھوڑ دیا جائے گا؟ وہ چمکتی ہوئی تیز دھار عرب تلواریں کہاں رہ گئیں؟ کیا اب وہ تلواریں صرف باہمی قتل و غارت کے لیے وقف ہوگئیں؟ یا پھر اب بھائی چارے کی کوئی پکار، ضمیروں پر اثر نہیں کرتی]۔

پھر فلسطینی قوم کی طرف سے اعلان کرتے ہیں:

لَا لَن نُهَاجِرَ كَالطُّيور

مَهما تَكَدَّسَتِ الشُّرُور

وَلَسَوفَ نَصمُدُ فَوقَ أَرضِ

بِلادِنَا مِثلَ الصُّخُور

نَبنِي كَمَا بَنَت الجُدُودُ

لَنَا عَلَى مَرِّ الدُّهُور

وَلَسَوفَ نَدفَعُ عَن حِمَانا

كَلَّ عَادٍ أو مُغِير

بِالنَّابِ إن عَزَّ السِّلاحُ

وَبِالمَخَالِبِ كَالصُّقُور

[شر و مصائب جتنے بھی جمع ہوجائیں، ہم پرندوں کی طرح ہجرت نہیں کرجائیں گے۔ ہم مضبوط چٹانوں کی طرح اپنی سرزمین پر ہی ڈٹے رہیں گے۔ جس طرح ہمارے آباء و اجداد نے تعمیر کی، ہم بھی اپنے ان مضبوط بازوؤں سے جو نہ کبھی تھکتے ہیں اور نہ بزدلی سے آشنا ہیں، تعمیر کرتے رہیں گے۔ ہم ہر جارح اور حملہ آور کے مقابلے میں اپنے گھر کا دفاع کریں گے۔ اگر کوئی ہتھیار نہ بھی ملا تو ہم (شیروں کی طرح) اپنے جبڑوں اور شاہینوں کی طرح اپنے پنجوں سے اپنی سرزمین کا دفاع کریں گے]۔

شیخ محمد صیام مرحوم کے یہ اشعار صرف اشعار نہیں، قبلۂ اوّل کی آزادی کے لیے کوشاں مجاہد فلسطینی قوم کا اعلانِ لازوال ہے! ☆☆☆

چوتھی قسط

وید کی قدامت

اکبر خان نجیب آبادی

غالباً اب وید بالخصوص رگ وید میں جابجا اگنی کی مہما دیکھ کر تعجب نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم اسے قبل واضح کر چکے ہیں، زرتشت توحید کے علم بردار تھے اور دینِ زرتشت میں ثنویت اور آتش پرستی کا اضافہ بعد میں ہوا، اس لیے اگر وید ویاس زرتشت کے پیرو تھے، تو ویدوں میں توحید ہی کی تعلیم رہی ہوگی، پھر جب ایرانیوں نے اپنے دین کو مسخ کر کے اُسے شرک اور آتش پرستی کا دین بنا دیا تو ان کے ہندوستانی پیروؤں نے بھی توحید کو وید سے خارج کر کے اس میں شرک اور آتش پرستی کا اضافہ کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زرتشت کی شریعت میں آگ کو عبادتِ الٰہی کے سلسلے میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ یہی نہیں، بائبل ___ عہد نامہ عتیق ___ سے معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کی طرح یہود بھی آگ پر قربانی کے جانور کا گوشت جلاتے تھے۔ اس قربانی کا نام ''سوختنی قربانی'' تھا، جس کی شریعتِ موسوی میں غیر معمولی اہمیت تھی۔ اور اس غرض سے مجوسیوں کی طرح ان کی قربان گاہ میں مسلسل آگ جلتی رہتی تھی۔

یہ ''سوختنی قربانی'' خالصتاً اللہ ہی کے لئے تھی۔ اب یا تو یہ کہیے کہ پچھلی شریعتوں میں قربانی اور عبادت کے سلسلے میں آگ کی غیر معمولی اہمیت تھی، جس نے بگڑ کر آتش پرستی کی شکل اختیار کر لی، یا یہ بات ہے کہ آریوں کی طرح یہود بھی ایران کی آتش پرستی سے متاثر ہوئے۔

وید کے اندر ویاس جی کے بعد غالباً مختلف اوقات میں مختلف اشعار داخل اور خارج ہوتے رہے اور ہندوؤں کی دوسری تصانیف کے الحاقات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وید بھی ہر گز محفوظ نہیں رہے ہیں۔ سوامی شردانند اسسٹنٹ سکریٹری رام کرشن مٹھ اینڈ مشن فرماتے ہیں:

''ویدک نوشتے چار بڑی کتب رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر و وید پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر تین خاص قسمیں ہیں:- سمہتا (یا سنگتا) مقدس متون کے مجموعے ۲:- براہمن شروح، اور ۳:- آرنیک یعنی دنیا چھوڑ کر جنگل میں رہنے والوں کیلئے ہدایت۔ وید کے لغت نویس یاسکت کے بقول وید کے صرف دو حصے ہیں، سمہتا اور براہمن۔ رہے آرنیک تو وہ براہمن ہی کا حصہ ہیں۔ قدیم ہندوستان کے معروف ترین قانون ساز آپستمب کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ مشہور و معروف اپنشد آرنیک ہی کے مختلف ابواب ہیں۔ بعض اہلِ علم ویدک لٹریچر میں سوتروں کے ایک مجموعے کو، جس کا نام کلپ سوتر ہے، شامل کرتے ہیں۔ آرنیک بالعموم مستقل اور آزاد تصنیف ہیں اگر چہ ان کو براہمن کا جز تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُپنشد، جیسا کہ اس سے قبل کہا جا چکا ہے، بالعموم انہی آرنیک کے ابواب ہیں۔ بہت سے آرنیک، جو مختلف ویدوں سے متعلق تھے، آج موجود نہیں ہیں۔ عام طور پر ان عجیب و غریب کتابوں کے صرف اُپنشد کے ابواب زمانے کی دست برد سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ آج اگر چہ ایک سو آٹھ سے زیادہ اُپنشد موجود ہیں، جن کا تعلق کسی نہ کسی وید سے ہے، لیکن اُپنشدوں کے قدیم ترین شارح شنکر آچاریہ نے ان میں سے صرف سولہ اپنشدوں کو اعلیٰ اور مستند قرار دیا ہے۔ وشنو پران کے بیان کے مطابق اصل وید ابتداءً رشیوں پر الہام کئے گئے تھے۔ ان میں ایک لاکھ اشلوک تھے اور چار حصے۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ یہ حصے گڈمڈ ہو گئے اور ویدوں کا بہت بڑا حصہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔ (The Cultural Heritage of India; Vol 1; P 3 -4)

سوامی شردانند مزید فرماتے ہیں: ''اندرونی شہادت سے بھی ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ دوسرے سمہتاؤں (ویدوں) میں رگ وید کے بعض حصوں کو کم و بیش کر کے اور بڑا کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔ یجر وید اور سام وید معمولی اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ رگ وید کے قابل لحاظ حصوں پر مشتمل ہیں۔ اتھر و وید، جو سب سے آخری وید ہے، اس میں بھی رگ وید

کے بہت سے منتر ہیں۔خود ''تریائی'' کالفظ، جو ویدک کتابوں کی نشاندہی کے لئے استعمال ہوتا ہے،اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وید اصل میں تعداد کے اعتبار سے صرف تین تھے اور یہ اتھروید بعد کا اضافہ ہے۔ پانی، ہندوستان میں گرامر کا سب سے بڑا ماہر، بھی اس نقطۂ نظر کی تائید کرتا ہے، کیونکہ وہ ویدوں کی تعداد تین بتاتا ہے۔'' (The Cultural Heritage of India; Vol 1; P 4-5)

وید کی قدامت کیلئے ہم کو سب سے پہلے جن گواہوں کی ضرورت ہے وہ اسی ملک کے باشندے اور مدعیوں کے ہمسائے ہونے چاہئیں لیکن جینی، دیودھرمی، بودھ، سناتن دھرمی، شیومت کے پیرو، ویشنوی، رائے داسی، برہم سماجی، نانک پنتھی اور قدیم باشندے، بھیل، کول اور گونڈ وغیرہ ویدوں کی قدامت پر گواہی نہیں دیتے، بدیگراں چہ رسد!

وید اپنی نسبت کیا کہتے ہیں؟

اب یہ تحقیق منظور ہے کہ خود وید اپنی قدامت کی نسبت کیا کہتے ہیں؟

ویدوں میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ ہم قدیم ہیں اور ابتدائے عالم میں ظہور پذیر ہوئے ہیں، وید جو کچھ فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

(۱) رِگ وید، اشٹک ۸، ادھیائے ۸، ورگ ۹ کا دوسرا منتر، جو دیانند صاحب کی مشہور بھومکا میں منقول ہے، اس میں لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ جس طرح زمانۂ قدیم میں تم سے پہلے نیک اور ایشور کے حکم کو عزیز جاننے والے تمہارے بزرگ گزر چکے ہیں اور قادر مطلق وغیرہ صفات سے موصوف ایشور کے حکم کی تعمیل کرتے رہے ہیں، اسی طرح پر تم بھی سچے دھرم چلو۔

مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وید اپنی قدامت سے انکاری ہے۔

(۲) یجر وید، ادھیائے ۱۳، منتر ۷، ۳، دیانندی بھاشیہ کے موافق ترجمہ اس طرح ہے: ''اے عالم باعمل مہاتمن! آپ گذشتہ عالموں سے تعلیم پائے ہوئے ہیں اور آپ دان شیل ہیں، آپ کے جن گھوڑوں کو چابک سواروں نے سدھایا ہے، آپ ان کو دشمنوں کی فوج کے مقابلے میں رتھ میں جوڑیئے اور عدل وانصاف کی کرسی پر جلوہ افراز ہوجیے۔''

گویا زمانۂ وید سے پہلے کے عالم، چابک سواروں کے فن کا رواج، سپاہ وغیرہ ویدوں کی تصنیف سے پہلے اور ویدوں کی تصنیف کے وقت موجود تھے۔

(۳) یجر وید، ادھیائے ۱۲، منتر ۱۱۱، دیانندی بھاشیہ کے موافق ترجمہ اس طرح ہے: ''اے انسان! جو لوگ عالم ہیں جہاں دیدہ، نشیب وفراز سے واقف، وسیع علم والے، نیک اعمال والے ہیں، تو اس قسم کے بڑے بڑے وِدّوانوں کی، جو پہلے جگ میں ہو چکے ہیں، تقلید کر، میں تجھے یہی حکم دیتا ہوں۔''

معلوم ہو کہ وید ست جگ یعنی پہلے جگ کے گزر جانے کے بعد کی کتاب ہے۔

(۴) رگ وید، منڈل ۷، سوکت ۶، رچا ۶ و ۸: ''اگنی امرت کا مالک ہے، دولت کا مالک ہے، وہی مستحکم خاندان کا دینے والا ہے۔ اے خدائے قوی ایسا نہ کر کہ ہم تیرے غلام بلا اولاد بلا خوبی اور بلا چڑھاووں کے رہ جائیں۔ کیا ہم نیک اگنی کی نعمتوں سے گھرے ہوں گے؟ کیا ہمیں دائمی نعمت ملے گی؟ او اگنی! ہم کسی غیر قوم سے نہیں نکلے ہیں، تو وہی راستہ لے جو تجھے ہمارے پاس پہنچادے، اگر صرف وہی خون نہ ہوتا جو ہم میں ہے تو پھر اگنی کو چڑھاوے کہاں ملتے اور کون اس کی پرستش کرتا۔ اسے پورا حق اس مکان میں رہنے کا ہے جسے ہم نے اس کے لیے خاص کیا ہے۔ آ ہمارے پاس، اے قومی فتح مند اور پرستش کے لائق دیوتا۔''

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مجوسی اور اوستا (مجوسیوں کی مقدس کتابیں یا ژند مجوسیوں کی مقدس عبادت گاہ) عبارت پڑھ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ وید کی تصنیف کے وقت دنیا میں بہت سی اقوام موجود تھیں، چڑھاووں کا رواج پہلے سے موجود تھا، دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اگنی کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ ہندوستان میں آریاؤں نے ـــــ کم از کم وید کے مصنفین نے ـــــ اگنی کے لیے خاص مکان یعنی آتش کدے بنا لیے تھے۔

(۵) یجر وید، ادھیائے ۱۹، منتر ۸ ۳: ''اے ہمارے باپ دادا اور پردادا! آپ ہماری زندگی کو پوتر کریں، آپ ہماری آرزوؤں اور ہماری محنت کو ہر طرح سے کامیابی دیں۔ جو انسان کتوں کی مانند عادات والے ہمارے دور نزدیک بستے ہیں، ہم کو ان کی صحبت سے الگ

رکھیے۔''

معلوم ہوا کہ ویدوں کی تصنیف کے وقت کم سے کم دو تین پشتیں تو انسانوں کی ضرور گزر چکی تھیں، جیسا کہ منتر مذکور ظاہر کر رہا ہے۔، یہ بھی معلوم ہوا کہ وید اس زمانے میں تصنیف ہوئے جبکہ کچھ لوگ ویدوں کے ماننے والے تھے اور کچھ ان کے منکر اور متبعین وید کے مخالف یا ان کے لیے باعثِ تکلیف تھے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ وید ابتدائے آفرینش میں موجود نہ تھے۔ اس طرح کی باتیں دوسرے ہندو محققین نے بھی لکھی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پہلے ایک وید تھا''رِگ وید''۔اس میں کمی بیشی کرکے دو وید سام وید اور یجروید ــــــ اور بنا لیے گئے اور مدتِ دراز تک یہی تین وید رائج رہے، بعد کو ایک اور وید کا اضافہ ہوا اور وہ ہے اتھروید۔

۲۔ویدوں کا ایک حصہ متن ہے جسے سمہتا یا سنگھتا کہتے ہیں اور دوسرا شرح ہے۔اس شرح ہی کا ایک حصہ آرنیک ہے اور آرنیک کا ایک حصہ اُپنشد۔

۳۔اُپنشدوں کے سوا سب آرنیک غائب ہوگئے۔

۴۔اس وقت ایک سو آٹھ اُپنشد موجود ہیں مگر شنکر آچاریہ نے ان میں سے صرف سولہ کو اصل اور مستند مانا ہے گویا باقی جعلی اور الحاقی ہیں۔

۵۔کچھ لوگ کلپ سوتر نامی ایک مجموعے کو ویدوں کا جزء خیال کرتے ہیں۔

۶۔ویدوں کے ایک لاکھ اشلوک تھے، ان میں سے اب بہت کم باقی ہیں، بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا۔

ہندوؤں کی عظیم ترین اکثریت سناتن دھرمی یہی مانتی ہے کہ وید کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔لیکن ہندوؤں کے ایک نئے اور چھوٹے سے فرقے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی اس کے منکر ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

''بُت پرست (سناتن دھرمی) سوال کرتے، یجروید کی ۲۱ ہیں کہ وید لا انتہا ہیں، رِگ وید کی، سام وید کی ایک ہزار اور اتھروید کی ۱۰۱ شاکھائیں ہیں۔اُن میں سے چند شاکھائیں ۴ جواب...... ملتی ہیں، باقی لوپ (گم ہوگئیں) یہ سب...... چار وید مکمل ملتے ہیں...... شاکھائیں یہ سب شاکھائیں وید نہیں) وہ وید کو ۱۱ ہیں۔''(ستیارتھ پرکاش، باب صرف پہلے جز سمہتا (سنگھتا) کو وید تسلیم کرتے ہیں۔براہمن، آرنیک اور اپنشد کو وید سے خارج مانتے ہیں۔(ستیارتھ پرکاش، باب)

یہ بڑی پیچیدہ صورتِ حال ہے؛ براہمن، آرنیک و راپنشد کو وید کا جزء ماننے تو ماننا پڑتا ہے کہ وید کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا اور جزنہ ماننے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہزارہا سال سے ہندو عوام و خواص غیر وید کو وید سمجھتے رہے۔

(جاری ہے۔)

انتقال پر ملال

کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہے جن کا وجود سراپا خیر و برکت اور عمل کے جذبوں کو مہمیز کرنے والا ہوتا ہے اور ہر فرد اس کی خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی جستجو کرتا ہے۔کچھ ایسے تھے جناب مولانا امانت اللہ اصلاحی صاحب جو 20/مارچ 2019 بعد نماز عصر داغ مفارقت دے گئے۔مولانا نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کافی عرصہ نائجیریا میں گذارا اور وہاں دعوتی اور تبلیغی خدمات انجام دیں بعد میں کار ایکسیڈنٹ (حادثہ) کے بعد واپس آگئے اور دہلی میں مقیم ہوگئے۔مسجد اشاعت اسلام کا ہر نمازی ان کی خشوع وخضوع سے متاثر تھا۔علمی دنیا میں قرآنی مطالعات میں ان کی آراء نہایت اہمیت کی حامل سمجھی جاتی تھی۔اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے۔انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائیں۔آمین

چوتھی قسط

کیا خدا انسانی کمزوری کی پیداوار ہے؟

سید حامد علی

کیا خدا کے لیے خالق چاہیے؟

کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے مشہور فلاسفر Bertrand Russell کے سامنے یہ سوال آیا کہ ”خدا کائنات کا خالق ہے تو خدا کا خالق کون ہے؟“ وہ اس سوال کا جواب نہ پا سکا۔ چناں چہ اس نے خدا کو ماننے سے انکار کر دیا۔لیکن یہ شبہ نہ تو نیا ہے اور نہ ’برٹرینڈرسل‘ تک محدود ہے، اب سے کم از کم چودہ سو برس پہلے یہ شبہ ذہنوں میں موجود تھا۔ چناں چہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے اس کا ذکر کر کے اسے ”وسوسہ شیطانی“ کی حیثیت دی ہے اور وہ طریقہ بتایا ہے جس کے ذریعہ اہل ایمان اس وسوسہ سے نجات پا سکیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کے ملحدین عام طور پر اس شبہ میں مبتلا ہیں یا کم از کم وہ اس سوال کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں کیوں کہ جب بھی کسی ملحد سے گفتگو ہوتی ہے اور وہ خدا کو ماننے پر مجبور ہونے لگتا ہے تو آخر میں وہ اس سوال کو اس طرح سامنے لاکر رکھ دیتا ہے گویا خدا کے نہ ہونے کی یہ کوئی قطعی دلیل ہو۔

یہ سوال بظاہر پیچیدہ بلکہ لاینحل نظر آتا ہے مگر جب آپ اس پر غور کرنے بیٹھیں گے تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ ایک لچر اور لایعنی بات ہے جس کی حیثیت فی الواقع شیطانی وسوسہ سے زیادہ نہیں ہے۔

دراصل وہ ذہنیت اصلاح طلب ہے جس نے اس سوال کا سہارا لے کر خدا کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کیوں کہ اس سوال کا خدا ہونے نہ ہونے سے بہ راہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کائنات کے آثار سے کائنات کے خالق، منتظم اور فرماں روا کا پتہ لگتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو اس سوال کا سہارا لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اس سہارے کے بغیر بھی خدا کو تسلیم نہ کیا جائے گا۔ لیکن کائنات کے آثار اگر صراحۃً کسی خالق و فرماں ا کا پتہ دیتے ہیں اور خدا کے بغیر نہ کائنات کی توجیہ ہو پاتی ہے اور نہ انسانی مسائل حل ہوتے ہیں تو خدا کو ماننے سے صرف اس بنا پر گریز نہ کیا جائے گا کہ اس کی ذات سے متعلق ایک سوال حل نہیں ہو رہا ___ علوم کی دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ تمام متعلقہ سوالات حل ہو جائیں، نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ بیشتر سوالات حل ہو جائیں، اسی کو عین کامیابی تصور کیا جاتا ہے۔ سائنس کے پیش کردہ نتائج کو قطعی سمجھ کر بے چوں وچرا قبول کر لیا جاتا ہے، لیکن ___ جیسا کہ ایک مغربی سائنس داں نے برٹرینڈرسل کے اس شبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے ___ سائنس کے تقریباً تمام کلیات کا یہی حال ہے۔ ان کے بارے میں بہت سے ایسے سوالات اٹھتے ہیں جن کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ مگر ان سوالات کے باعث نہ ان کلیات کا انکار کیا جاتا ہے اور نہ انکار کہ سائنس کے میدان میں ایک قدم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اس کی کیا تک ہے کہ صرف ایک سوال کا جواب نہ پانے کے باعث ___ بشرط یہ کہ اس کا فی الواقع کوئی جواب نہ ہو ___ اُس حقیقتِ عظمیٰ کا انکار کر دیا جائے جس کی شہادت زمین و آسمان کی ہر ہر شے دے رہی ہے۔ غالباً ذہنیت کی اسی خرابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسۂ شیطانی سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن کیا واقعۃً یہ کوئی لاینحل سوال ہے؟ سوال کا تجزیہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کی حیثیت مغالطہ یا غلط فہمی سے زیادہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر خدا کائنات کا خالق ہے تو خدا کا خالق کون ہے؟ مغالطہ کا پہلو یہ ہے کہ خدا اور کائنات کو سوال میں ایک ہی سطح پر رکھ دیا گیا ہے۔ گویا پہلے سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ خدا اور کائنات ایک ہی

نوعیت کی چیزیں ہیں اور کائنات کے لیے جن امور کی ضرورت ہے ، خدا کو بھی انہی امور کی ضرورت ہے حتیٰ کہ کائنات کے لیے کوئی خالق ماننا ناگزیر ہو تو یہ بھی لازمی ہے کہ خدا کا کوئی خالق مانا جائے۔

مگر یہ بات اسی وقت صحیح ہوگی جب یہ معلوم ہوجائے کہ خدا اور کائنات دونوں کی نوعیت و حالات یکساں ہیں ، لیکن اس یکسانیت کے لیے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہی نہیں کوئی معقول اور سنجیدہ آدمی بہ سلامتیِ ہوش وحواس اس بات کا قائل نہیں ہوسکتا کہ خدا اور کائنات بہ الفاظِ دیگر خالق ومخلوق نوعیت اور حالات کے لحاظ سے یکساں ہوسکتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ پوچھ بیٹھے کہ ہم ، اور زمین کی تمام دوسری چیزیں زمین پر ٹھہری ہوئی ہے؟ یہ سوال اسی لیے تو غلط ہے کہ سائل نے زمین کو، اور اُن چیزوں کو جو زمین پر ٹھہری ہوئی ہیں یکساں حیثیت دے دی، اس نے خیال کیا کہ جس طرح ہم ٹھہرے ہوئے ہیں اور ہمیں ٹھہرنے کے لیے زمین کے سہارے کی ضرورت ہے ، اسی طرح زمین بھی ٹھہری ہوئی ہوگی اور اسے بھی سہارے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یہ خیال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زمین کی اور ان چیزوں کی جو زمین پر ٹھہری ہوئی ہیں یکساں حالت نہیں ہے۔ حالانکہ زمین پر پائی جانے والی تمام چیزیں زمینی مادّے ہی سے بنی ہیں اور ان کا زمین سے شدید تعلق ہے۔ اس شدید تعلق کے ہوتے ہوئے بھی زمین اور ان کے مابین شدید تفاوت ہے تو خالق اور مخلوق کے درمیان کتنا عظیم فرق ہوگا اور دونوں کو یکساں حیثیت دے کہ سوچنا اور سوال کرنا کس قدر غلط ہوگا!!

جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں ، شاید انہوں نے کائنات، خدا اور فعلِ تخلیق کسی پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا ورنہ وہ اس طرح کی مہمل بات نہ کہتے ۔تخلیق کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ ایک شے کو جو پہلے موجود نہ تھی ، پیرایۂ وجود بخشا گیا۔ جو شخص کہتا ہے کہ 'خدا کائنات کا خالق ہے'، دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ کائنات پہلے موجود نہ تھی ، پھر خدا نے اسے پیدا کیا۔ اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ کائنات مخلوق نہیں ، ازلی و ابدی ہے تو اسکے نقطۂ نظر کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ کائنات کا کوئی خالق نہ ہو مگر اس نقطۂ نظر کے حامل کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ ''خدا کائنات کا خالق ہے تو خدا کا خالق کون ہے؟'' یہ سوال اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب آپ کسی درجہ میں اس بات کو تسلیم کرلیں کہ کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ہوسکتا ہے، یعنی آپ تسلیم کرلیں کہ کائنات پہلے موجود نہ تھی ، پھر وجود میں آئی ۔لیکن اگر آپ کائنات کو ازلی وابدی مانتے ہیں تو اس طرح کا سوال کرنے کے بجائے آپ سیدھے سیدھے یہ کہیے کہ کائنات ازلی وابدی ہے اس لیے اس کے لیے کسی خالق کا سوال خارج از بحث ہے۔

اسی طرح کائنات کسی ایک شے کا نام نہیں ہے۔ ہر چیز جو موجود تھی، موجود ہے اور موجود ہوگی اور وہ مخلوق ہے کائنات ہے ۔کائنات صرف زمین اور اس کی مخلوقات کا نام نہیں ہے، وہ صرف نظامِ شمسی پر بھی مشتمل نہیں ہے، جو تارے ہمیں ننگی آنکھ اور بڑی سے بڑی دوربینوں کے ذریعہ نظر آرہے ہیں ، ان سب کے مجموعہ کا نام بھی کائنات نہیں ہے۔

جو نظام ہائے شمسی اور نظام ہائے فلکی خلا میں موجود ہیں (اور ایک نظام فلکی میں بہت سے شمسی نظام ہوتے ہیں) وہ اپنی گزشتہ، موجودہ اور آئندہ موجودات سمیت کائنات کا محض ایک جزو ہیں۔ کائنات میں وہ تمام تارے بھی داخل ہیں جو ابھی تک زیرِ تشکیل ہیں اور ان کے وہ نظام بھی جو ان کے تشکیل پانے کے بعد وجود میں آئیں گے نیز وہ تارے بھی جو آئندہ کبھی تخلیق پائیں گے۔ اسی طرح خلا میں جو لہریں ، جو شعاعیں اور جو قوتیں موجود ہیں وہ سب بھی کائنات میں داخل ہیں۔ مختصر یہ کہ کائنات نام ہے گزشتہ، موجودہ اور آئندہ تمام مخلوقات کے مجموعہ کا، جس سے کوئی مخلوق باہر نہیں ہے۔

خدا کائنات کا خالق ہے، اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ خدا اس ہستی کا نام ہے جو ساری کائنات گزشتہ، موجودہ اور آئندہ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ کائنات موجود نہ تھی اور وہ موجود تھا، پھر اس نے اپنی قدرت سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ بہ الفاظِ دیگر خدا کائنات سے پہلے ہے، خدا کائنات سے ماوراء ہے، خدا کائنات کا جزو نہیں ہے وہ تمام مخلوقات سے ماسوا ہے، وہ مخلوق نہیں ہے، وہ خالق ہے۔

اس تشریح کے بعد ذرا اس فقرے کی معنویت پر غور کیجیے کہ کائنات کا خالق ہے تو خدا کا خالق کون ہے؟ کتنا حسین اور بامعنی سوال ہے یہ! کائنات تو ازلی وابدی نہیں ہے اس لیے اس کا

خالق ہونا لازمی ہے لیکن خدا کے لیے یہ سوال کیوں پیدا ہوگیا کہ اس کا خالق کون ہے؟ کیا خدا ازلی وابدی نہیں ہے؟ کیا وہ پہلے موجود نہ تھا اور بعد میں کسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا؟ اگر ایسا ہے تو یقیناً وہ خدا نہیں ہے ، بلکہ مخلوق ہے اور کائنات ___ مجموعۂ مخلوقات ___ کا ایک جزو۔ حالاں کہ سوال کائنات یا اس کے کسی جزو کے بارے میں نہیں ، خدا کے بارے میں تھا جو کائنات کا جزو نہیں ، کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔

اگر خدا کائنات سے ماوراء ہے اور مخلوقات کے دائرہ میں شامل نہیں ہے، تو اس کے لیے خالق کا تصور آخر کہاں سے پیدا ہوگیا؟ خالق مخلوق کے لیے ہوتا ہے خالق کے لیے نہیں ۔ جو مخلوق نہیں ، خالق ہے، جو معدوم سے موجود نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ سے موجود ہے اس کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ اس کا خالق کون ہے___ حد درجہ بے عقلی کی بات ہے۔

اس سوال کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا، جو مخلوق نہیں ہے، اور جو کبھی پیدا نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ سے ہے، اسے پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا کون ہے؟ کیا یہ سوال تضادات کا مجموعہ نہیں ہے؟ کیا آپ اسے مہمل کے سوا اور کسی لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں؟ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا کائنات تمام گزشتہ ، موجودہ اور آئندہ مخلوقات سے ماوراء ہے یعنی وہ مخلوق نہیں ہے اور کبھی پیدا نہیں ہوا، مگر اسی لمحہ آپ سنجیدگی سے یہ سوال جڑ دیتے ہیں کہ خدا کو کس نے پیدا کیا؟ اور جب کوئی شخص مہمل سمجھ کر سوال کو نظر انداز کر دیتا ہے تو آپ پکار اٹھتے ہیں کہ دیکھو، خدا پرستوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے اور آپ پورے اطمینان کے ساتھ خدا کا انکار کر دیتے ہیں ۔ یہ فلسفہ کی آخر کون سی قسم ہے؟ کیا فلسفۂ الحاد کی عمارت اسی قسم کی شاندار بنیادوں پر اٹھی ہے؟

بریں عقل ودانش بباید گریست!!

(جاری ہے۔۔۔)

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF)

نوجوانوں کی اہمیت

تحریک اور جوانی کا تعلق چولی دامن کا سا ہے ۔ جنھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ تحریک نام ہے جدو جہد کا ، دوڑ دھوپ کا، مقصد کے لیے خون پسینہ ایک کرنے کا اور تن من دھن کی بازی لگا دینے کا اور یہ تمام صفات نوجوانوں ہی میں پائی جاتی ہیں ۔ نوجوان جن کے سینے جوشِ جوانی سے معمور ہوتے ہیں جب اپنی حقیقت پہچان لیتے ہیں اور انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو جاتا ہے تو حالات کا رخ بدل دیتے ہیں ۔ ماحول کو الٹ پلٹ کر ایک نئی دنیا تعمیر کرتے ہیں چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر انقلاب اور تحریک کے پیچھے خون بہانے والے یہی نوجوان رہے ہیں ۔ جنہوں نے اپنی جوانیوں کو استعمال کر کے اپنی دنیا آپ بنائی ہے، چاہے وہ فرانس کا جمہوری انقلاب ہو یا روس کی اشتراکی آمریت ، ہندوستان کی جنگ آزادی ہو یا ایران کی اسلامی جدوجہد، ہر ایک کی روح میں نوجوان خون دوڑ رہا ہے ۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برپا کردہ انقلاب نوجوانوں ہی کی قربانیوں کا مرہون تھا ۔ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی ۔ حضرت علیؑ کی عمر دس سال تھی ۔ حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر لبیک کہنے والے قرآنی بیان کے مطابق جوان ہی تھے ۔ ''وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا تھا ۔'' ''ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ اٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارا رب تو بس وہ ہی ہے جو آسمان وزمین کا رب ہے ۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات ہوگی ۔''

آج بھی اسلام کو انہیں نوجوانوں کی تلاش ہے جو اپنے نصب العین کے عشق سے سرشار ہو کر بے اختیار کہہ اٹھیں ''نحن انصار اللہ'' (ہم ہیں اللہ کے مددگار) اور پھر اپنی اور دوسری جوانیوں کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں ۔ جھپٹنے، پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کا سلیقہ جانتے ہوں ۔ جن کی ہمتیں ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا عزم رکھتی ہوں ۔ جو خدا ترسی اور پاکبازی کو اپنا توشہ اور پہاڑوں کی چٹانوں کو اپنا نشیمن سمجھتے ہوں اور منزلِ عقبیٰ جنت پر جن کی نظریں لگی ہوں ۔

نیوزی لینڈ: پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ڈاکٹر سلیم خان

تہذیبی سطح پر پوری دنیا نے منوسمرتی کا ورن آشرم تسلیم کرلیا ہے۔ اس میں سب سے اوپر یوروپی تہذیب ہے جو ہر قسم کے عیب سے پاک صاف سمجھی جاتی ہے۔ وہاں پر حملہ آور کو (بشرطیکہ وہ مسلم نہ ہو) پاگل قرار دے کر ہمدردی کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ سزا دینے کے بجائے اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چینی آتے ہیں جو کبھی کبھار ڈھکے چھپے انداز تنقید کا نشانہ بنتے۔ برما یا چین میں تشدد کو نہ تو بودھ مت سے جوڑا جاتا ہے اور نہ ہی اشتراکیت سے۔ ہندستانی تہذیب تیسرے نمبر پر ہے۔ اس کی زبانی مذمت تو ہوتی ہے لیکن اس کے خلاف کسی عملی اقدام کا تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ سب سے نیچے مسلمان اور ان کی اسلامی تہذیب ہے۔ ساری دنیا میں برپا فتنہ وفساد کو بے دریغ اس سے جوڑ دیا جاتا ہے اور اس پر ہر قسم کا اقدام جائز ومستحب سمجھا جاتا ہے۔ عصر حاضر کا یہ عظیم نفاق ہے کہ امریکی دہشت گردی کو سراہا جاتا ہے۔ چین کے مسلمانوں کی تعذیب کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ہندوستان پر زبانی جمع خرچ پر اکتفاء کیا جاتا ہے مگر مسلم ممالک مثلاً عراق ولیبیا پر فوج کشی سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ نیوزی لینڈ کے اندر وقوع پذیر ہونے والے سانحہ کو اس تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ نیوزی لینڈ گوکہ جغرافیائی اعتبار سے یوروپ میں نہیں ہے لیکن وہ پوری طرح مغربی تہذیب کا علم بردار ملک ہے۔ کرائسٹ چرچ کی دو مسجدوں پر ہوئے دہشت گردانہ حملہ میں ۵۰ اہل ایمان شہید ہوگئے اور ۲۰ لوگوں کی حالت انتہائی سنگین ہے۔ رب ذوالجلال اس سانحہ میں شہید ہونے والوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم Jacinda Ardern (جیسنڈا آرڈرن) اس خبر کی تصدیق کرچکی ہیں لیکن اس کے ساتھ مذمت یا نہ رنج وغم کا اظہار نظر نہیں آیا۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم جیسنڈا نے چار مشتبہ لوگوں کو گرفتار کرنے کی خبر دے کر بڑا احسان کیا ہے۔ ایک ایسے قاتل کو جس نے فیس بک اپنی شناخت اور شواہد دونوں رکھ چھوڑے ہیں کیا مشتبہ قرار دینا مضحکہ خیز نہیں ہے۔ آسٹریلیا کے وزیر اعظم اسکاٹ ماریسن نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ''گولی باری کے بعد نیوزی لینڈ میں جو چار لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان میں سے ایک آسٹریلیائی باشندہ ہے۔ بقیہ لوگوں کی تفصیلات کو ذرائع ابلاغ سے کیوں پوشیدہ رکھا جارہا ہے؟ اس سوال کا جواب کوئی نہیں جانتا۔ میڈیا کے مطابق یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب نمازِ جمعہ کی تیاری چل رہی تھی، اس لیے دونوں مساجد کے اندر کافی تعداد میں نمازی موجود تھے۔ النور مسجد کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جب حملہ آور خودکار ہتھیار لے کر داخل ہوا تو وہاں کم وبیش ۲۰۰ لوگ تھے۔ حملہ آور کے تعلق سے بتایا گیا کہ وہ ۲۸ سالہ آسٹریلوی شہری ہے۔ حملہ آور Brenton Tarrant (برینٹن ٹیرینٹ) نے اس اندوہ ناک واقعہ کا لائیو ویڈیو اپنے فیس بک صفحہ پر چلا کر راجسمند کے شمبھوناتھ ریگر کو بھی مات دے دی۔ سوال یہ ہے کہ ان سفاک قاتلوں کا حوصلہ اس قدر بلند کیسے ہوجاتا ہے؟ اس کا جواب شمبھوناتھ جیسے لوگوں کے ساتھ عوام اور انتظامیہ کے سلوک میں پوشیدہ ہے۔ شمبھوناتھ کے لیے علی الاعلان چندہ جمع کیا گیا۔ عدالت کے سامنے مظاہرہ ہوا اور اسے انتخاب لڑانے تک کی بات کی گئی۔ افرازل کے قاتل نے جودھپور کی سینٹرل جیل سے دو اشتعال انگیز ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل کرکے ثابت کردیا کہ وہ کس عیش کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے ویڈیو میں قتل کا خطرہ جتانے کے بعد کہا کہ اسے اپنی درندگی پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ برینٹن ٹیرینٹ نے فیس بک پر لائیو اپنا نام بتاکر تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی پیدائش آسٹریلیا میں ہوئی ہے۔ النور مسجد کے باہر گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے لائیو اسٹریمینگ شروع کی جو ۱۷ منٹ تک جاری رہی۔ اس ویڈیو میں اس کو ڈھیر سارے ہتھیار اور دھماکہ خیز اشیاء کے ساتھ گاڑی میں آگے کی سیٹ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے پاس پٹرول کے کنستر بھی نظر آتے ہیں۔ گاڑی سے اترتے ہی وہ مسجد کے دروازے پر فائرنگ شروع کردیتا ہے اور تابڑتوڑ گولیاں برسانے لگتا ہے لیکن سوال یہ ہے ۱۷ منٹ تک یہ اسٹریمنگ جاری کیسے رہی؟ جن لوگوں منٹوں کے اندر یہ پتہ چل جاتا ہے کہ تورہ بورہ کی پہاڑیوں میں کون مٹھائی بانٹ رہا ہے اور خوشیاں منا رہا ہے وہ اسے روک کیوں نہیں پائے؟ اس اسٹریمنگ کو دیکھنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی اتنی دیر تک پولس کو اطلاع کیوں نہیں دی؟ یا انتظامیہ خود چاہتا تھا کہ یہ مناظر دنیا بھر میں پھیلا کر مسلمانوں کو دہشت زدہ کیا جائے؟ اب آگے یہ دیکھنا ہوگا کہ برینٹن کو کیفر کردار تک پہنچنے سے بچانے کے لیے یوروپی دانش ور کیسی کیسی موشگافیاں کرتے ہیں؟ اس طرح کی دہشت گردی کو حکومت کی درپردہ حمایت حاصل

ہوتی ہے۔ ہندوستان کے اندر ہجومی تشدد کے قاتلوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے بچایا جاتا ہے۔ مظفرنگر فساد کے ملزمین جب ضمانت پر رہا ہوکر آتے ہیں تو ان کو سرکاری ملازمت سے نوازہ جاتا ہے۔ مظفرنگر کے مقتول نواب اور شہید کے بھائی اور چشم دید گواہ اشباب کو دن دہاڑے کھتولی قتل کردیا جاتا ہے لیکن پولس کو کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سبودھ کمار کے قاتلوں کی ایف آئی آر سے بجرنگ دل کے رہنما کا نام نکال دیا جاتا ہے۔ بابو بجرنگی جیسے سفاک قاتل کی گرتی ہوئی صحت پر عدالت کو رحم آجاتا ہے۔ مایا کندنانی کے خلاف تمام شواہد اچانک کمزور ہوجاتے ہیں۔ حکومت ہند مسعود اظہر کو دہشت گرد قرار دینے کے لیے اقوام متحدہ تک پہنچ جاتی ہے مگر اسٹینس کے قاتل رام سنگھ اور افرازالاسلام کا قتل کرنے والے شمبھوناتھ کو تختہ دار پر نہیں چڑھاتی۔ جیش محمد پر پابندی لگانے کے لیے تگ و دو کرنے والوں کو سناتن سنستھا نظر نہیں آتی جس نے گوری لنکیش اور پروفیسر کلبرگی جیسے نہ جانے کتنے دانش وروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی سے ان ظالموں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور قتل وخون کا بازار گرم رہتا ہے۔ افضل گرو کے ناقص شواہد کے باوجود رائے عامہ کے دباؤ میں پھانسی دیئے جانے پر ساری دنیا خاموش تماشائی بنی رہتی ہے مگر پاکستان میں آسیہ بی بی کو لے کر آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے لیکن عدالت کے پائے استقلال میں جنبش نہیں آتی۔ اس کے باوجود دنیا بھر میں دہشت گردی کا محور مسلم ممالک کو قرار دیا جاتا ہے۔ نیوزی لینڈ کے قتل عام کی ذمہ داری کوئی قبول نہیں کرتا۔ قاتل کے مذہب اور ملک کو انفرادی حرکت سے نہیں جوڑا جاتا لیکن اگر ایسی ہی کوئی حرکت کسی مسلمان سے سرزد ہوجائے تو اسلام کے خلاف محاذ کھول دیا جاتا ہے۔ ٹیرینٹ نے جس اسکول سے تعلیم حاصل کی ہے اس کو بند کرنے کا خیال بھی کسی کو نہیں آتا مگر نام نہاد اسلامی دانش ور بھی بیک جنبش سارے مدرسوں پر قفل لگانے کی بات کرنے سے پس و پیش نہیں کرتے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی اتحاد کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ ظلمت کے ان سارے علم برداروں میں سے کسی اندھیرے کو دوسرے اندھیرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان کو خوف صرف نور اسلام سے ہے۔ یہ سب موت سے خوف زدہ ہیں اس لیے ایک دوسرے کو نہیں ڈراتے لیکن مسلمان موت سے بھی نہیں ڈرتا اس لیے اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ احمق نہیں جانتے،

کہ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF)

طلبہ تحریک اور عوامی سرگرمیاں فرمانبرداری کی بنیاد پر

عام طور سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ طلبہ کو تو اپنی تعلیم گاہوں میں لگا رہنا چاہیے۔ اردگرد کے ماحول اور ملکی و بین الاقوامی حالات سے انہیں کیا سروکار لیکن ظاہر ہے یہ سوال صحیح نہیں ہے۔ طلبہ بھی اردگرد پھیلے ماحول کا ایک حصہ اور ملک کی تعمیر میں رول ادا کرنے والی ایک اہم اکائی ہیں۔ اگر ملک میں انتشار اور انارکی لاقانونیت اور بداخلاقی کا چلن ہو تو ان کے مہلک اثرات سے طلبہ بھی بچ نہیں سکتے اگر وہ ان برائیوں اور بے حیائیوں کا مقابلہ نہیں کرتے تو رفتہ رفتہ ان کی زندگی بھی نمک کی طرح سے انہیں برائیوں میں تحلیل ہوجائیگی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کا ضمیر نیک و بد کی تفریق کی صلاحیت کھو بیٹھے گا۔ پھر تعلیمی کیمپس کی ابتری اور بہتری ملک کے حالات پر منحصر ہے۔ اگر تعلیمی اداروں کے باہر کی دنیا طرح طرح کی بدعنوانیوں اور فتنہ وفساد کے مظاہر میں ملوث ہے تو ان اداروں کا ماحول کیسے پاکیزہ اور تعلیم کے لیے ممد ومعاون رہ سکتا ہے۔ لہٰذا خود اپنی تعلیم وتربیت کی بہتری کے لیے بھی دنیا سے واسطہ رکھنا اور اسے پاکیزہ اخلاق اور شائستہ بنانے کی کوشش کرنا طلبہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ طلبہ اپنی تعلیم چھوڑ کر ان سرگرمیوں میں لگ جائیں۔ انہیں تعلیم کے میدان میں بھی اچھے کردار کا ثبوت دینا ہے اور امتیازی مقام حاصل کرنا ہے۔ اگر وہ اچھے طالب علم نہیں ہوں گے تو دعوت دین کا کام بھی زیادہ بہتر طریقے سے انجام نہیں دے سکتے۔ لہٰذا انہیں تعلیم کی طرف پوری توجہ دینی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی تعلیم گاہوں کے باہر کی دنیا کی اصلاح کی کوشش بھی کرنی ہے۔

انہیں حالات ووسائل کے تحت اسلامک یوتھ فیڈریشن IYF کی تشکیل ہوئی۔ ملک کے طلبہ ونوجوان وطن کی بگڑی ہوئی صورتحال نہ دیکھ سکے اور محبت واخوت، امن وآشتی اور عدل وانصاف کا گہوارہ بنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے پیدا کرنے والے کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کی بنیاد ملک کے انسانوں کے درمیان انصاف اور مساوات کی تعمیر کے لیے ایک تحریک کی شکل میں اکٹھا ہوگئے۔

نیوزی لینڈ، مساجد پر خوفناک حملہ

(مغرب کی ہزار سالہ دہشت گردی کا تسلسل)

شاہنواز فاروقی

نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ کی دو مساجد پر عیسائی دہشت گردوں کے خوفناک حملوں سے 50 مسلمان شہید اور 48 زخمی ہوگئے۔ عینی شاہدین کے مطابق پولیس موقع واردات پر دو منٹ میں پہنچ سکتی تھی، مگر وہ 20 منٹ میں مدد کو پہنچی۔ ایمبولینسوں نے بھی موقع پر پہنچنے میں 30 منٹ لیے، چنانچہ عیسائی دہشت گرد کامل اطمینان کے ساتھ مسلمانوں کو قتل کرتے رہے۔ دہشت گردوں کے سرغنے برنٹن ٹیرنٹ نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا بلکہ خصوصی کیمرے کے ذریعے قتلِ عام کو انٹرنیٹ پر براہِ راست نشر بھی کیا۔ بدقسمتی سے نیوزی لینڈ کی مساجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے والوں پر عیسائی دہشت گردوں کا حملہ کوئی اتفاقی معاملہ نہیں، بلکہ یہ حملہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی ایک ہزار سالہ دہشت گردی کا تسلسل ہے۔

دنیا کی تاریخ میں کوئی تہذیب ایسی نہیں گزری جو ایک ہزار سال تک دوسری تہذیب کے خلاف دہشت گردی کرتی رہی ہو۔ لیکن بدقسمتی سے جب مغرب ''عیسائی مغرب'' تھا تب بھی وہ اسلام اور اسلامی تہذیب کے خلاف دہشت گردی کررہا تھا، اور اب جبکہ مغرب کو ''سیکولر'' ہوئے کئی صدیاں ہوگئی ہیں تب بھی وہ اسلام اور اسلامی تہذیب کے خلاف دہشت گردی کررہا ہے۔

عیسائیت کی تاریخ میں سب سے بڑی شخصیت پوپ کی ہوتی ہے۔ کیتھولک فرقے میں پوپ کی شخصیت روحانی اور علمی اعتبار سے اتنی مرکزی ہے کہ اس کے بغیر عیسائیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پوپ کی روحانیت اور علمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ عیسائیت کی روحانی ترقی اور علمی عروج کی معراج ہوتی ہے، مگر بدقسمتی سے 1095ء میں عیسائیت کی سب سے بڑی روحانی اور علمی شخصیت نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑی دہشت گردی ایجاد کی۔ 1095ء میں پوپ اُربن دوئم نے الفاظ کو میزائلوں میں ڈھالتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ایک ''شیطانی مذہب'' ہے۔ پوپ نے کہا کہ میرے قلب پر یہ بات القا کی گئی ہے کہ عیسائیوں کو آگے بڑھ کر اسلام اور اس کے پیروکاروں کو صفحہ ہستی سے مٹادینا چاہیے۔ پوپ نے تمام یورپی اقوام کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی تلقین کی اور 1099ء میں یورپ کی تمام اقوام عملاً ایک صلیبی جھنڈے کے نیچے جمع ہوئیں اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اُن صلیبی جنگوں کا آغاز کیا جو دو سو سال تک جاری رہیں۔ ان جنگوں کے پہلے مرحلے میں صلیبی فوجوں نے مسلمانوں کے روحانی اور سیاسی مرکز بیت المقدس کو تاراج کردیا۔ صلیبیوں نے بیت المقدس میں اس بڑے پیمانے پر قتلِ عام کیا کہ بیت المقدس کی گلیوں میں اتنا خون جمع ہوگیا کہ گھوڑوں کا چلنا مشکل ہوگیا۔ اہم بات یہ ہے کہ جس وقت پوپ اربن نے اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی مسلط کی اُس وقت کسی مسلمان فرد، گروہ یا ریاست نے عیسائیت یا عیسائیوں کی توہین نہیں کی تھی اور کسی یورپی ملک پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اُس وقت نہ کوئی اسامہ بن لادن تھا، نہ کسی نیویارک کے ٹوئن ٹاور منہدم کیے گئے تھے۔ مطلب یہ کہ مغرب کی دہشت گردی کا کوئی پس منظر نہیں تھا۔

اس کہانی نے 19ویں صدی میں ایک بار پھر خود کو دہرایا۔ مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں چین کی زندگی بسر کررہے تھے کہ یورپی طاقتیں اپنے اپنے جغرافیے سے نکلیں اور برتر عسکری طاقت اور سازشوں کے ذریعے کم و بیش تمام مسلمان ملکوں پر قابض ہوگئیں۔ اِس بار مغرب نے دہشت گردی کے لیے white man's burden کے تصور کو بنیاد بنایا۔ اس تصور کا مطلب یہ تھا کہ مغرب باشعور ہے، مہذب ہے، اور عالمِ اسلام سمیت پورا مشرق بے شعور اور غیر مہذب ہے، چنانچہ سفید فام مہذب مغرب کا فرض ہے کہ وہ غیر مہذب لوگوں کو تہذیب سکھائے۔ مغرب نے مشرق کے ساتھ تعلق کی جو نوعیت بنائی اسے مغرب کے ممتاز اور نوبیل انعام یافتہ ادیب کپلنگ نے ایک فقرے یا مصرع میں بیان کردیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مشرق آدھا شیطان ہے اور آدھا بچہ ہے۔ اس فقرے کی تشریح یہ ہے کہ

مسلمانوں سمیت پورا مشرق مذہبی معنوں میں گمراہ ہے، اس لیے کہ اُس کے پاس کوئی سچا مذہب ہی نہیں ہے۔ مشرق بچہ ان معنوں میں ہے کہ اس کے ذہن کا ارتقا ہی نہیں ہوا، چنانچہ مشرق مغرب کی طرح ''بالغ'' نہیں ہے۔ اس کے پاس نہ مذہب ہے، نہ فلسفہ ہے، نہ سائنس ہے نہ ٹیکنالوجی ہے۔ لیکن یہ بات کہنے والا خود جہلِ مطلق کا شکار تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یورپ کے پاس جتنے علوم ہیں وہ سارے علوم مغرب کو مسلمانوں نے دیے ہیں۔ مسلمان ایسا نہ کرتے تو مغرب کبھی مغرب نہیں ہوسکتا تھا۔ بہرحال مغرب نے 19 ویں صدی میں ایک بار پھر مسلمانوں پر بغیر کسی جواز کے دہشت گردی مسلط کی۔ اس دہشت گردی کی تفصیل رونگٹے کھڑے کردینے والی ہے۔ مغرب نے مسلمانوں کو سیاسی غلام بھی بنایا اور انہیں تہذیبی غلامی میں بھی مبتلا کیا۔ یہاں تک کہ مغرب مسلمانوں کے تمام مادی وسائل لوٹ کرلے گیا۔

مغرب نے عالم اسلام کے خلاف تیسری بڑی اور اجتماعی دہشت گردی اُس وقت شروع کی جب دوسری عالمی جنگ کے بعد مسلمان ممالک ایک ایک کرکے مغرب کے چنگل سے نکل گئے۔ تمام مغربی اقوام نے مسلمانوں میں کالے انگریزوں اور کالے فرانسیسیوں کا ایک طبقہ پیدا کردیا۔ اس طبقے میں بادشاہ بھی ہیں، جرنیل بھی اور نام نہاد سیاسی رہنما بھی۔ یہ لوگ عالمِ اسلام میں مغرب کے مفادات کے ترجمان بھی ہیں اور ان کے محافظ بھی۔ مغرب کی تیسری دہشت گردی کا ایک پہلو مغرب کے قائم کردہ اقتصادی اور مالی ادارے مثلاً عالمی بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ ہیں۔ ان اداروں کے ذریعے مغرب نے مسلمانوں کی معیشتوں کو قرضوں کے طوفان میں غرق کردیا ہے۔ دوسری جانب مغرب نے سیٹو اور سینٹو جیسے فوجی معاہدوں کے ذریعے مسلم ممالک کو عسکری میدان میں اپنا دستِ نگر بنالیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ 70 سال بعد بھی مسلم ممالک حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہیں۔ ان کی معیشتیں قرضوں تلے دبی ہوئی ہیں، اور مسلم دنیا کا کوئی رہنما مغرب کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کرسکتا۔

عالمِ اسلام کے خلاف مغرب کی چوتھی اجتماعی دہشت گردی کا آغاز نائن الیون کے بعد ہوا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آج تک کسی کو یہ معلوم نہیں کہ نائن الیون کا ذمے دار کون ہے؟ خود مغرب میں لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو نائن الیون کو امریکہ کے حوالے سے Inside Job کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کام امریکی اسٹیبلشمنٹ نے خود کرایا ہے۔ بدقسمتی سے حالات و واقعات نے اس خیال پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ اس سلسلے میں چند واقعات کا تذکرہ کافی ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکہ کے صدر جارج بش نے امریکی قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں ''کروسیڈ'' کی اصطلاح استعمال کی، اور کروسیڈ کا مطلب ''صلیبی جنگ'' ہے۔ اس کے معنی تھے کہ امریکی صدر عالم اسلام کے خلاف ایک جدید صلیبی جنگ کا آغاز کرچکے ہیں۔ کروسیڈ کے لفظ پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو وہائٹ ہاؤس نے وضاحت کی کہ تقریر کرتے ہوئے جارج بش کی زبان پھسل گئی۔ حالانکہ جارج بش فی البدیہہ تقریر نہیں کررہے تھے بلکہ وہ لکھی ہوئی تقریر کررہے تھے، اور لکھی ہوئی تقریر میں زبان نہیں پھسلا کرتی۔

جارج بش کی تقریر کے بعد اٹلی کے وزیراعظم سلویو برلسکونی نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے اور اس نے جس طرح کمیونزم کو شکست دی ہے اسی طرح وہ اسلامی تہذیب کو بھی شکست دے گی۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کا کوئی ترجمان نہیں، ہوتا تو وہ اٹلی کے وزیراعظم سے پوچھتا کہ مغرب تو اپنی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کہہ رہا ہے پھر مغرب کے ایک اہم رہنما کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے، اور اس نے جس طرح کمیونزم کو شکست دی ہے اسی طرح اسلامی تہذیب کو بھی شکست دے گی؟ اتفاق سے اس کے بعد اس سے بھی زیادہ بڑا واقعہ ہوا۔ امریکی صدر جارج بش کے اٹارنی جنرل ایش کرافٹ نے واشنگٹن ڈی سی میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عیسائیت کا خدا، اسلام کے خدا سے برتر ہے، اس لیے کہ عیسائیت کے خدا نے انسانیت کی نجات کے لیے اپنے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ کو قربان کردیا، اس کے برعکس اسلام کا خدا اپنی عظمت کے اظہار کے لیے خود مسلمانوں سے جہاد کے میدان میں قربانی طلب کرتا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی ترجمان اور والی وارث ہوتا تو جارج بش اور ان کے اٹارنی جنرل

سے پوچھتا کہ آپ دہشت گردوں کے خلاف جنگ لڑنے نکلے ہیں یا اسلام کے تصورِ خدا اور اسلامی تہذیب کو شکست دینے نکلے ہیں؟ ان واقعات کے کچھ عرصے بعد بی بی سی ورلڈ کے پروگرام Hard Talk میں امریکی جنرل کلارک کا انٹرویونشر ہوا۔ جنرل کلارک یورپ میں نیٹو کی فورسز کے سابق کمانڈر تھے۔ انہوں نے کوئی لفظ چبائے بغیر کہا کہ مغرب اسلام کو Define کرنے کے لیے متحرک ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طے یہ کرنا ہے کہ آیا اسلام ایک پُرامن مذہب ہے جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں، یا اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو تشدد پر اکساتا ہے۔ ان تمام ناقابلِ تردید حقائق کا ایک ہی مفہوم تھا، اور وہ یہ کہ جس طرح 1099ء میں ''عیسائی مغرب'' اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی ''ایجاد'' کررہا تھا، ٹھیک اسی طرح 19ویں اور 20ویں صدی میں ''سیکولر مغرب'' اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر مائل تھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ 1095ء میں ایک پوپ نے اسلام کو شیطانی مذہب کہہ کر اس کی توہین کی، اور پھر 2009ء میں ایک اور پوپ بینی ڈکٹ شش دہم نے یہ کہہ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی کہ آپ کیا نیا لائے سوائے ان احکامات کے جنہیں آپ نے تلوار کے زور پر آگے بڑھایا۔ بدقسمتی سے نائن الیون کے بعد سے اب تک مغرب کبھی ''عیسائی مغرب'' بن کر، کبھی ''سیکولر مغرب'' بن کر اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہورہا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ یہ ہے کہ ہمارے یہاں امام غزالیؒ اور ایک عام مسلمان کے کردار وعمل میں زمین آسمان کا فرق ہے، مگر مغرب کی تاریخ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے ''پوپ''، امریکہ کے صدر جارج بش، امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور نیوزی لینڈ میں دو مساجد میں دہشت گردی کرنے والے 28 سالہ برنٹن ٹیرنٹ میں کوئی فرق نہیں۔ ان سب کی اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کی سطح بھی ایک ہے، اور نفرت کے اظہار کا طریقہ بھی ایک ہے۔

کہنے کو برنٹن ٹیرنٹ ایک ''عام دہشت گرد'' ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ''صلیبی نفسیات'' کا حامل شخص ہے۔ ''احمق مسلمانوں'' کی بات اور ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی دنیا آج بھی صلیبی جنگوں کی نفسیات کے زیر اثر اسلام، پیغمبرِ اسلام اور خود مسلمانوں سے نفرت کرتی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ نیوزی لینڈ کی مساجد میں دہشت گردی کرنے والے برنٹن ٹیرنٹ نے جو دستاویز انٹرنیٹ پر جاری کی ہے اس میں اُن صلیبی جنگوں کا ذکر ہے جن میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو شکست دی۔ مثلاً اس نے اپنی بندوق پر اس جنگ کا حوالہ درج کیا جسے عربی میں ''بلاط الشہدا'' کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ دنیا کی پندرہ بڑی جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ جنگ فرانس کے شہر تورز کے قریب لڑی گئی۔ اس جنگ کے بارے میں مغرب کے ممتاز مؤرخ ایڈورڈ گبن نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف 'تاریخ زوالِ روما' میں لکھا ہے کہ ''اگر اس جنگ میں یورپ کو شکست ہوجاتی تو آج پورا یورپ مسلمانوں کے زیرنگیں ہوتا اور اوکسفرڈ میں قرآن پڑھایا جارہا ہوتا'' برنٹن ٹیرنٹ نے اپنی بندوق پر 1571ء میں ہونے والی ایک اور مسیحی جنگ کا حوالہ دیا ہے۔ اس جنگ میں بھی عیسائیوں کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہوئی۔ برنٹن ٹیرنٹ کی بندوق پر 1529ء کی اُس جنگ کا بھی حوالہ موجود ہے جو صلیبیوں اور خلافتِ عثمانیہ کے درمیان ہوئی۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو برنٹن ٹیرنٹ صرف ایک ''نسل پرست'' اور صرف ایک ''سفید فام'' نہیں ہے بلکہ وہ ایک ''صلیبی'' بھی ہے، اور اس نے نیوزی لینڈ کی مساجد میں نہتے نمازیوں کو شہید کرکے ایک ''صلیبی جنگ'' میں ''شرکت'' کی ہے اور معاذ اللہ ''شیطانی مذہب'' اور اس کے شیطان جیسے پیروکاروں کو ''ٹھکانے'' لگایا ہے۔ مگر مغربی دنیا کے سیاسی رہنما اور ذرائع ابلاغ برنٹن ٹیرنٹ کی دہشت گردی کو نہ ایک ہزار سال کی تاریخ کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں، نہ بیان کررہے ہیں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی دہشت گردی ''اسلامی'' بھی ہوتی ہے اور ''پاکستانی'' اور ''سعودی'' بھی ہوتی ہے، مگر مغرب کے دہشت گردوں کی دہشت گردی نہ ''عیسائی'' ہوتی ہے، نہ ''سیکولر'' ہوتی ہے، نہ ''امریکی'' ہوتی ہے، نہ ''آسٹریلوی'' ہوتی ہے۔ چنانچہ برنٹن ٹیرنٹ کو مغرب کے اکثر ذرائع ابلاغ نے ''دہشت گرد''، اور اس کے حملے کو ''دہشت گردی'' قرار دینے سے گریز کیا۔ مغرب کے ذرائع ابلاغ کو برنٹن ٹیرنٹ کا ''عیسائی'' اور ''صلیبی'' پس منظر بھی نظر نہیں آیا۔ وہ برنٹن ٹیرنٹ کی دہشت گردی کو ''Shooting'' اور خود برنٹن ٹیرنٹ کو ''Shooter'' کہتے رہے۔ مسلمان دہشت

گردی میں ملوث ہوتے ہیں تو ان کا تعلق ہمیشہ کسی نہ کسی ''تنظیم'' سے ہوتا ہے، مگر مغرب کے دہشت گرد دہشت گردی کرتے ہیں تو مغرب کے ذرائع ابلاغ انہیں ''تنہا فرد'' یا Lone Wolf کہہ کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ مغرب کا پورا معاشرہ دہشت گرد تھوڑی ہے بلکہ اس کے ''چند افراد'' ایسے ہیں۔ برنٹن ٹیرنٹ کے سلسلے میں بھی یہی ہو رہا ہے، اسے Lone wolf قرار دیا جارہا ہے۔ اور اہلِ مغرب ایسا کیوں نہ کریں! خود مسلم دنیا کے مغرب زدگان بھی یہی کر رہے ہیں۔ روزنامہ ڈان پاکستان کا سب سے بڑا انگریزی اخبار ہے، اس نے نیوزی لینڈ کے ہولناک واقعات کو صفحۂ اوّل پر چار کالموں میں درج ذیل سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

"New Zealand in a daze after mosque attack"

اس سرخی کے اہم ترین الفاظ دو ہیں۔ پہلا لفظ ''Daze'' ہے، اس کے معنی ہیں حیرانی، صدمے کی وجہ سے ردعمل ظاہر کرنے کے قابل نہ ہونا۔ اس اعتبار سے اس سرخی کا ترجمہ یہ ہے:

''نیوزی لینڈ مسجد حملے کے بعد حیران''۔

اس کا ایک اور ترجمہ یہ ہوسکتا ہے:

''نیوزی لینڈ مسجد پر حملے کے بعد صدمے سے دوچار''۔

اس سرخی کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے:

''مساجد پر حملے کے بعد نیوزی لینڈ حیران و پریشان''۔

جیسا کہ ظاہر ہے اس سرخی میں نہ کوئی ''**دہشت گرد**'' ہے، نہ اس میں کہیں ''دہشت گردی'' ہے، نہ اس میں کوئی ''عیسائی'' ہے، نہ اس میں کوئی ''مسلمان'' ہے، نہ اس سرخی میں کسی شیطانیت کی نشاندہی ہے۔

اس سرخی کا دوسرا اہم لفظ ''Attack'' ہے۔ ہم ڈان کی خبروں سے ایسی درجنوں خبریں نکال کر دکھا سکتے ہیں جہاں ڈان نے سرخی میں Attack کے بجائے ''Terrorism'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر حملہ کسی مسلمان نے کیا ہوتا تو ڈان اب بھی سرخی میں Terrorism ہی کی اصطلاح استعمال کرتا، مگر چونکہ مسلمان دہشت گردی کا نشانہ بنے ہیں اس لیے مساجد اور مسلمانوں پر صرف ''حملہ'' ہوا ہے۔ ڈان کی سرخی کی اسلام اور مسلمانوں سے لاتعلقی کو محسوس کرنا ہو تو اس دن کے اردو اخبارات کی سرخیوں پر نظر ڈال لینی چاہیے۔ مثلاً اس دن روزنامہ جسارت کی شہ سرخی یہ تھی:

''نیوزی لینڈ میں عیسائی دہشت گردوں کے 2 مساجد پر حملے، 49 نمازی شہید''۔

اس دن روزنامہ جنگ کراچی کی شہ سرخی یہ تھی:

''مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے والوں کی دہشت گردی''۔

اس روز کے روزنامہ دنیا کراچی کی شہ سرخی اس طرح تھی:

''نیوزی لینڈ، دو مساجد پر دہشت گرد حملہ، 49 شہید''۔

ڈان نے صرف اپنی شہ سرخی ہی میں ''تماشا'' نہیں دکھایا، اس نے 16 مارچ 2019ء کے اداریے میں بھی ''کمالات'' دکھائے ہیں۔ ڈان نے اداریے میں لکھا ہے کہ نیوزی لینڈ کے واقعے سے اب مسلم دنیا کے ان Radical عناصر کو آکسیجن فراہم ہوگی جو مغرب اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں جس سے کبھی نہ ختم ہونے والی نفرت کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔ نہ صرف یہ، بلکہ اس صورتِ حال میں ''تہذیبوں کے تصادم'' کا بیانیہ بھی سامنے آجائے گا اور قومیں انتہا پسندوں کے تشدد کی زد میں ہوں گی۔ سوال یہ ہے کہ مسلم دنیا میں ایسا کون ہے جو مغرب اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت پھیلاتا ہے؟ مغرب کے خلاف کسی کو نفرت پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے، مغرب یہ کام خود ہی کرتا رہتا ہے، مسلمان تو بیچارے صرف مغرب کی دہشت گردیوں کی تاریخ اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور بس۔ رہیں مسلم دنیا کی مذہبی اقلیتیں، تو وہ اتنی چھوٹی ہیں کہ ان سے کسی مسلم ملک اور کسی مسلم معاشرے کو کوئی خطرہ اور مسئلہ ہی نہیں۔

اس کے برعکس پوری مغربی دنیا میں اسلام اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے 28 ممالک میں گزشتہ چند برسوں کے دوران مسلمانوں پر حملوں میں کہیں 30 فیصد، کہیں 50 فیصد اور کہیں اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ مغربی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف Hate Speech کا دائرہ بھی وسیع ہو رہا ہے۔ یورپ کے کئی ممالک میں برقعے اور اسکارف پر پابندی لگائی جاچکی ہے۔ یہ ثقافتی جبر، بلکہ ''ثقافتی دہشت گردی'' کی ایک صورت ہے۔ کہا جارہا ہے کہ مغرب میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ان پر حملوں کا

سبب ہے۔مگر نیوزی لینڈ میں مسلمانوں کی آبادی کُل آبادی کا صرف ایک فیصد ہے، اس کے باوجود وہاں 50 مسلمانوں کو شہید اور 48 مسلمانوں کو زخمی کردیا گیا ہے۔ نیوزی لینڈ کو مغرب کا پُرامن ترین ملک کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نیوزی لینڈ کا عالمی سیاست اوراس کی گرمی سے کوئی تعلق نہیں،مگر نیوزی لینڈ میں ہونے والی دہشت گردی کی واردات بتارہی ہے کہ اسلام اورمسلمانوں کے لیے مغرب کا پُرامن ترین ملک بھی محفوظ نہیں۔

مغرب اورمسلمانوں کے تعلق کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں نے صلیبی جنگوں کے زمانے میں بھی مغرب کے خلاف ''دفاعی جنگ'' لڑی۔نوآبادیاتی دور میں بھی مغرب کے خلاف دفاعی انداز میں معرکہ آرائی کی۔اور نائن الیون کے بعد سے اب تک بھی مسلمان دونوں ہاتھوں میں ڈھالیں لیے کھڑے ہیں۔ بدقسمتی سے مغرب کے دونوں ہاتھوں میں ہمیشہ تلواریں رہی ہیں،مگر عجیب بات یہ ہے کہ مغرب کی نظر میں ہم 11 ویں صدی میں بھی دہشت گرد تھے، نوآبادیاتی دور میں بھی ''باغی'' تھے،اورآج بھی مغرب مسلمانوں کو''دہشت گرد'' کہتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اورظلم،مغرب اور ناانصافی، اورمغرب اور دہشت گردی ہم معنی الفاظ ہیں،اورکیوں نہ ہوں؟ مغرب خود اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کا ''باغی'' ہے۔اس کی بغاوت کی ہولناکی کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ

نطشے نے کہا خدا مرگیا
مارلو نے کہا انسان مرگیا
لارنس نے کہا انسانی تعلقات کا ادب مرگیا
دریدا نے کہا لفظ کے معروضی معنی مرگئے۔

سوال یہ ہے کہ جب مغرب نے ہر قابلِ قدر،اہم اورجمیل شے کو فنا کردیا تو پھر شیطان صفت مغرب کے سوا کیا باقی رہ گیا؟شیطان صفت مغرب کی دنیا میں اسلام اورمسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مودودیؒ نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''تنقیحات'' میں مغرب کو''جاہلیتِ خالصہ'' اور''شجرِ خبیث'' خواہ مخواہ نہیں کہا تھا۔لوگ کہہ رہے ہیں کہ ڈونلڈ ٹرمپ نے مغرب میں اسلام اورمسلمانوں پرحملوں کی راہ ہموار کی ہے،مگر جیسا کہ اس مضمون سے ظاہر ہے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی میں تو مغرب کے دو پوپ، درجنوں بڑے سیاست دان اور ہزاروں ذرائع ابلاغ شامل ہیں۔مغرب کے رہنماؤں نے مغرب اور پوری دنیا میں اسلام اورمسلمانوں سے نفرت کا ''سوئمنگ پول'' نہیں،''سمندر'' خلق کیا ہوا ہے۔

اسلامک یوتھ فیڈریشن IYF

تحریکی تھرمامیٹر

ہفتہ واراجتماعات تحریکی تھرمامیٹر ہیں جوتحریک سے ہماری وابستگی اورتعلق کو نمایاں کرتے ہیں۔ہم ہفتہ واراجتماع میں کتنی پابندی، تیاری اوردلچسپی سے شرکت کرتے ہیں اس کا جائزہ لیجیے اورپھرتحریک سے اپنی وابستگی کو بھی اسی لحاظ سے پرکھ لیجیے۔ہفتہ کے چھ دنوں کا جائزہ لینے، اپنی تحریکی سرگرمیوں کا محاسبہ کرنے اور اپنے دینی بھائیوں سے ملاقات کا بہترین ذریعہ ہفتہ واراجتماع ہے۔اس سے ہماری تربیت بھی ہوگی، دوسروں کے تجربات سے استفادہ کرنے اوران کے مسائل کو حل کرنے اور اپنی پیچیدگیوں کو سلجھانے کا نادر موقع ہوتا ہے۔جوہفتہ بھرمیں میسر آتا ہے۔اس لیے ہماری بھرپور کوشش ہونی چاہیے کہ ہفتہ واراجتماع میں ضرورشریک ہوں۔

فارم نمبر چار (4) Form

مالک	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر	:	شیخ نثار شیخ چاند
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت	:	ماہانہ
مقام اشاعت	:	پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

پُرامن مظاہروں سے قلعۂ آمریت میں گہرا شگاف پڑچکا ہے

مسعود ابدالی

الجزائر کی حکومت کے خلاف کئی ہفتوں سے جاری مظاہروں میں شدت آتی جارہی ہے۔گزشتہ جمعہ کوسارے ملک میں لاکھوں افراد نے قبر میں پیر لٹکائے لیکن اقتدار سے چمٹے صدر عبدالعزیز بوتفلیقہ کے خلاف مظاہرہ کیا۔الجزائر کے موجودہ سیاسی بحران کے تجزیے سے پہلے شمالی افریقہ کے اس خوشحال ترین ملک کا ایک مختصر سا تعارف، کہ الجزائری تاریخ پُروقار و ایمان افروز جدوجہد کا استعارہ اور تیل سے مالامال یہ ملک لاکھوں اخوانیوں کےلہو سے منورومعطر ہے۔

سواچار کروڑ آبادی والے اس ملک میں تیل کی پیداوار بیس لاکھ بیرل یومیہ ہے، جبکہ دس ارب مکعب فٹ گیس بھی روزانہ نکالی جاتی ہے۔الجزائر کے بارے میں یہ بات قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی کہ پاکستانی انجینئروں اور ماہرینِ ارضیات نے الجزائر کی تیل وگیس کی صنعت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی کے آغاز پر جناب ذوالفقارعلی بھٹو نے پاکستان میں تیل وگیس کی تلاش کے کام کومنظم و مربوط کرنے کے لیے او جی ڈی سی کی بنیاد ڈالی۔موصوف اُس وقت پاکستان کے وزیرِ صنعت تھے۔اسی دوران الجزائر نے غیرملکی تسلط سے نجات حاصل کی،لیکن آزادی سے قبل فرانسیسیوں نے تیل کے اکثر میدانوں کوفرانسیسی اور امریکی اداروں کے ہاتھوں اونے پونے بیچ دیا، جبکہ قابض فوج باقی اثاثے جاتے جاتے تباہ کرگئی۔الجزائر کی نوزائیدہ حکومت نے پاکستان سے مدد کی درخواست کی کہ اُس وقت مسلمان ملکوں میں صرف پاکستان ہی قدرتی وسائل کی تلاش وترقی کا علم رکھتا تھا۔بھٹو نے الجزائری قیادت کی بھرپور مدد کی اور او جی ڈی سی کے انداز میں سوناطراک (Sonatrach) کے نام سے وہاں تیل وگیس کے ایک قومی ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔بڑی تعداد میں پاکستانی ماہرین الجزائر بھیجے گئے، بلکہ ایک عرصے تک سوناطراک کا انتظام و انصرام پاکستانیوں ہی کے پاس رہا۔

الجزائر کے لوگوں نے اپنی آزادی کی ایک طویل جنگ لڑی ہے۔فرانسیسیوں نے 1830ء میں یہاں قبضہ کیا،لیکن انھیں ایک دن بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نیشنل لبریشن فرنٹ کے بینر تلے الجزائری حریت پسندوں نے بے مثال شجاعت کی تاریخ رقم کی۔ برطانیہ اور اسپین نے حریت پسندوں کے خلاف فرانس کی بھرپور مدد کی، سارے یورپ سے سنگین جرائم میں ملوث ہزاروں افراد اور پیشہ ور قاتل یہاں لاکر بسائے گئے جنھوں نے ظلم وتشدد کے نت نئے طریقے ایجاد کیے،لیکن حریت پسندوں نے مستقل مزاجی سے اپنی تحریک جاری رکھی اور 1962ء میں فرانسیسیوں کو بوریا بستر لپیٹنا پڑا۔آزادی کے بعد نیشنل لبریشن فرنٹ کی حکومت قائم ہوئی اور ملک میں 1978ء تک ایک جماعتی نظام برقرار رہا۔ حواری بومدین کے انتقال پر شاذلی بن جدید برسراقتدار آئے، انھوں نے آئین میں ترمیم کرکے کثیرالجماعتی نظام قائم کردیا، اور 1988ء میں جماعت سازی پر پابندی اٹھتے ہی مشہور حریت پسند رہنما ڈاکٹر عباس مدنی نے دوسرے سیاسی کارکنوں کے ساتھ مل کر Front Islamic De Salut (FIS) جسے انگریزی میں Islamic Salvation Front کی بنیاد رکھی۔نفسیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھنے والے عباس مدنی ایک سنجیدہ، بردبار اور اعتدال پسند سیاسی رہنما ہیں۔آزادی کی جنگ میں یہ احمد بن بیلا، حواری بومدین اور دوسرے حریت پسند رہنماؤں کے شانہ بشانہ تھے۔مدنی صاحب ایک طویل عرصے تک فرانسیسیوں کی قید میں بھی رہے۔

دنیا بھر کی تحاریکِ اسلامی کی طرح FIS نے بھی خدمتِ خلق کے میدان سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا، اور سارے ملک میں اسکولوں، سستی روٹی کے تندور اور شفاخانوں کا جال بچھا دیا، جس کی وجہ

سے اسے غریب لوگوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ 12 جون 1990ء کو ہونے والے پہلے بلدیاتی انتخابات میں FIS نے 54 فیصد ووٹ لے کر تمام کی تمام بلدیات میں حکومت بنالی۔ بلدیاتی اقتدار کو FIS نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بہت ہی حکمت و تدبر سے استعمال کیا اور اس کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا۔ بلدیاتی انتخابات کے فوراً ہی بعد عام انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ رائے عامہ کے تمام جائزوں سے FIS کی کامیابی یقینی نظر آرہی تھی جس سے حکمران طبقے کو سخت پریشانی ہوئی۔ چنانچہ امراء نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ سیکولر عناصر، فوج، کمیونسٹوں اور تمام دین بیزاروں نے FIS کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا، حتیٰ کہ اہلِ جبہ و دستار اور صوفی و مشائخ بھی FIS مخالف سوشلسٹ اتحاد میں شامل ہو گئے۔

شدید نظریاتی تناؤ کے باوجود چھے مہینوں پر محیط انتخابی مہم انتہائی پُرامن رہی اور ملک میں کسی ایک جگہ بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ دسمبر 1991ء میں پارلیمنٹ کی 430 نشستوں پر انتخابات ہوئے جس میں پچاس سے زیادہ جماعتوں نے حصہ لیا۔ پہلے مرحلے میں 231 نشستوں کا فیصلہ ہوا، اور اسلامک فرنٹ نے 47 فیصد سے زیادہ ووٹ لے کر 188 نشستیں جیت لیں۔ اس کے قریبی حریف سوشلسٹ فرنٹ کو 25 سیٹوں پر کامیابی نصیب ہوئی، جبکہ صرف 15 نشستیں حکمران نیشنل لبریشن فرنٹ کے حصے میں آئیں۔ باقی 199 نشستوں میں سے 160 پر اسلامک فرنٹ کو برتری حاصل تھی، لیکن کُل ووٹوں کا پچاس فیصد نہ ملنے کی بنا پر ان نشستوں پر دوسرے مرحلے کے Run-Off انتخابات ہونے تھے۔ سیاسی ماہرین کا خیال تھا کہ دوسرے مرحلے کا انتخاب مکمل ہونے پر اسلامک فرنٹ کو 430 کے ایوان میں 350 نشستیں حاصل ہوں گی۔

سالویشن فرنٹ کی اس بے مثال کامیابی پر سارے ملک میں جشن کا سماں تھا۔ دیہات میں لوگوں نے گھروں کی منڈیروں پر زیتون کے چراغ روشن کیے۔ لیکن یہ جشن دوسری ہی صبح شامِ غریباں میں تبدیل ہو گیا جب فوج نے اقتدار پر قبضہ کر کے انتخابات کو کالعدم کر دیا۔ مذہبی بنیادوں پر بنائی جانے والی جماعتوں پر پابندی لگادی گئی اور اسلام پسندوں کے خلاف بھرپور کارروائی کا آغاز ہوا۔ فوجی آپریشن کے آغاز پر ہی عباس مدنی نے واضح اعلان کیا کہ اسلامک فرنٹ ایک جماعت ہے اور بیلٹ ہی ہمارا ہتھیار ہے۔ لیکن الجزائری فوج اس یقین دہانی پر مطمئن نہ ہوئی اور اسلامک فرنٹ کی قیادت کو گرفتار کر کے اس کے کارکنوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اسلامک فرنٹ کے دو لاکھ سے زیادہ کارکن فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ فوج نے اپنی کارروائی کا جواز پیدا کرنے کے لیے جعلی معرکوں کا اہتمام کیا، جس کے بعد اخوانیوں پر الجزائر کی زمین تنگ اور ان کے خون سے سرخ کر دی گئی۔

دنیا میں جمہوریت کے سارے علم برداروں نے عوامی امنگوں اور مینڈیٹ پر ڈالے جانے والے ڈاکے کی بھرپور حمایت کی۔ یورپی یونین کا کہنا تھا کہ الجزائری فوج نے بروقت کارروائی کر کے اپنے ملک کو گڑھے میں گرنے سے بچالیا ہے۔ اسی پر جناب انور مسعود نے کہا تھا:

ہمیں جمہوریت اچھی لگے ہے

اگر یہ الجزائر میں نہ ہووے

خون کی یہ ہولی آٹھ سال سے زیادہ عرصہ جاری رہی۔ 1995ء سے انتخابات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا، اور ہر بار فوج کی حمایت سے نیشنل لبریشن فرنٹ کے امیدوار ہی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتے رہے۔ موجودہ صدر عبدالعزیز بوتفلیقہ 1999ء میں منتخب ہوئے اور اس کے بعد 2004ء میں 85 فیصد ووٹ لے کر وہ دوسری مدت کے لیے دوبارہ صدر چن لیے گئے۔ الجزائری دستور کے تحت کوئی بھی شخص دو مدت سے زیادہ صدارت کے منصب پر نہیں رہ سکتا، لیکن تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح الجزائر میں بھی ملکی آئین آمروں کے گھر کی لونڈی ہے۔ چنانچہ دستور میں ترمیم کر دی گئی۔ وہ فروری 2009ء میں تیسری مدت کے لیے صدر منتخب ہوئے اور اپریل 2014ء کے انتخابات میں 81 فیصد ووٹوں کے ساتھ موصوف نے چوتھی مدت بھی حاصل کر لی۔

عوام جہاں 82 سالہ عبدالعزیز کی کرپشن اور ظلم و تشدد سے بے حد پریشان ہیں، وہیں چند برسوں سے وہ خود بھی عملاً مفلوج ہیں۔ ان کی بیماری کا سلسلہ آٹھ سال سے جاری ہے اور وہ اپنا اکثر وقت جنیوا کے اسپتالوں میں گزارتے ہیں۔ تیل کی دولت سے مالا مال ملک کے یہ مطلق العنان حکمران 20 سال کے دوران ایک بھی ایسا اسپتال نہ بنا سکے

جس میں وہ اپنا علاج کرا سکیں۔ ان کے خلاف عوامی تحریک کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ الجزائر کے صدر کو اس کا اندازہ بھی نہیں، کہ دو ہفتے پہلے تک وہ سوئٹزر لینڈ میں اپنا علاج کرا رہے تھے۔ سنتے ہیں پاکستان پر بھی کبھی ایسا وقت آیا تھا کہ گورنر جنرل غلام محمد فالج کے باوجود حکمرانی فرما رہے تھے۔

گزشتہ ہفتے جب صدر صاحب علاج کرا کے سوئٹزر لینڈ سے واپس آئے تو ایک ترجمان کے ذریعے انتہائی علیل عبدالعزیز بوتفلیقہ نے آئندہ انتخاب نہ لڑنے کا اعلان کر دیا۔ عوام نے پیرتسمہ پا سے جان چھوٹنے پر زبردست جشن منایا، لیکن یہ خوشی دو دن بعد اُس وقت کافور ہوگئی جب الیکشن کمیشن نے انتخابات ہی ملتوی کر دیے۔ صدر صاحب کا کہنا ہے کہ انتخابات سے پہلے مستقبل کے بندوبست پر قومی مفاہمت ضروری ہے۔ صدر کی تقریر سنتے ہی سارا الجزائر ایک بار پھر سڑکوں پر آ گیا اور ہر چھوٹے بڑے شہر میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ کئی شہروں میں اسکارف پوش خواتین نے جلوس نکالے اور اِرْحَلْ یَا عَبْدَالْعَزِیْز (اے عبدالعزیز ہماری جان چھوڑ دیجیے) کا نعرہ زبان زدِ عام ہوگیا۔ فوج بظاہر غیر جانب دار لگ رہی ہے، تاہم 15 مارچ کو صدر کے ترجمان نے ایک بیان میں کہا کہ فوج، عدلیہ اور سیکولر و لبرل طبقے کو اپنی آنکھ کھول لینی چاہیے کہ حالات 1990ء کی طرف واپس جاتے نظر آ رہے ہیں۔ گویا صدر عبدالعزیز نے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔

دوسری طرف مقتدرہ نے قلعہ بندی شروع کر دی ہے اور ایک ٹیکنوکریٹ حکومت بنانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ صدر عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ نئی حکومت میں ایک تہائی خواتین ہوں گی۔ لیکن اس لالی پاپ کے خلاف اتوار کو لاکھوں خواتین نے زبردست مظاہرہ کیا۔ خواتین کا کہنا تھا کہ عورت ہو یا مرد، ہمیں منتخب قیادت چاہیے۔ ٹیکنوکریٹ حکومت کے قیام کے لیے اب نورالدین بدوی کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا ہے جنھوں نے دو سال پہلے بدعنوانی کے الزام میں برطرف کیے جانے والے وزیر خارجہ رمطان لعمامرہ کو نائب وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ مزے کی بات کہ وزارتِ خارجہ کا قلمدان بھی دوبارہ رمطان صاحب ہی کو تھما دیا گیا ہے۔

نئے وزیر اعظم کو اپنی کابینہ بنانے میں سخت مشکل درپیش ہے کہ عوامی دباؤ کی وجہ سے اچھی شہرت کے حامل لوگ کٹھ پتلی حکومت کا حصہ بننے کو تیار نہیں۔ مشہور طبیب اور سرکاری ڈاکٹروں کی تنظیم کے سربراہ ڈاکٹر الیاس مربت نے وزیر صحت بننے سے انکار کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ الجزائر کے لوگ عبدالعزیز کی آمریت سے نجات اور شفاف انتخابات چاہتے ہیں، جبکہ ٹیکنوکریٹس حکومت کے نام پر انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ اساتذہ کی وفاقی انجمن کے صدر میزان مروان نے بھی وزارت کی دعوت یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ جس حکومت کو عوام نے مسترد کر دیا اُس کا حصہ بن کر میں لاکھوں اساتذہ کو بے وقار نہیں کروں گا۔

اب یہ خبر گرم ہے کہ مشہور سفارت کار لخذر براہیمی ملک کے مختلف سیاسی گروہوں کے درمیان مفاہمت کی کوشش کریں گے۔ لخذر براہیمی عراق اور افغانستان کے لیے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے رہ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ذمہ داریاں محض علامتی تھیں کہ معاملہ امریکہ سے تھا، اور بیچارے لخذر براہیمی کی کیا مجال کہ وہ چچا سام کے کسی قدم، مؤقف، حتیٰ کہ عندیے پر بھی تنقید یا ناراضی کا اظہار کر سکیں۔ کہا جا رہا ہے کہ وہ الجزائر کے بانیوں یعنی 1954ء سے 1962ء تک جاری رہنے والی جنگِ آزادی میں شریک زعما سے مشاورت کر رہے ہیں جن کی اکثریت پیرانہ سالی کے سبب معذور ہے اور بستر سے لگی بیٹھی ہے۔ 1991ء میں عوامی مینڈیٹ چرانے والوں میں لخذر صاحب بنفسِ نفیس شامل تھے، اور FIS کو کچلنے کے بعد جو نئی حکومت قائم ہوئی اُس کے یہ وزیر خارجہ تھے۔ چند سال پہلے اپنے ایک انٹرویو میں انھوں نے فرمایا کہ ”1991ء میں جب FIS کی کامیابی نوشتۂ دیوار نظر آ رہی تھی تو انتخاب کروانے کی ضرورت ہی کیا تھی!“ ذہنی افلاس کا شکار اور اخلاقی طور سے دیوالیہ شخص کو کون ثالث تسلیم کرے گا!

ایک منظم اور سیکولر اقدار کی بالادستی کے لیے پُرعزم فوج کی موجودگی میں کسی بڑی تبدیلی کی کوئی امید نظر نہیں آتی، لیکن نوجوانوں کا خیال ہے کہ پُرامن مظاہروں سے قلعۂ آمریت میں گہرا شگاف پڑ چکا ہے۔ عوامی بیداری تبدیلی کی برسات کا پہلا قطرہ ہے، اور موسلا دھار بارش سے اٹھنے والا سیلاب کرپٹ و بوسیدہ اقتدار کو آخرِ کار بہا لے جائے گا۔ دیکھنا ہے کہ سیکولرازم کی پاسبان الجزائری فوج عوامی امنگوں کو کچلنے کے لیے اِس بار کس حد تک جائے گی۔

مثبت سوچ کی حقیقت اور زندگی پر اس کے اثرات

فرد سے لے کر معاشرے تک چین وسکون، امید، ہمدردی، اتحاد و اتفاق پیدا کرنے والے امور پر ایک اہم مضمون

مبین الرحمٰن

انسانی زندگی پر سوچ کے گہرے اثرات:

انسانی شخصیت کو سنوارنے، ترقی اور کمال تک پہنچانے، کامیابی سے ہم کنار کرنے اور اس کے برعکس انسانی شخصیت کو بگاڑنے، ناکامی اور پستی کی طرف لے جانے اور بے مقصد بنانے میں اس کی سوچ کا نہایت ہی گہرا اثر ہوا کرتا ہے۔ اس بات پر دِلی اطمینان کے لیے اگر ہم کامیاب، مؤثر ترین اور مثالی افراد، اور اسی طرح ناکام، غیر مؤثر اور بے معنی افراد کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگی اور ہم یہ یقین کرلیں گے کہ ''انسان کی کامیابی اور ناکامی میں انسانی سوچ کا کس قدر گہرا اثر ہوا کرتا ہے!!''

زندگی اسی سوچ کے دم سے ہے!!

اسی طرح آگے بڑھ کر ہم زندگی ہی کا گہرائی سے جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کامیابی ناکامی، ترقی و پستی، عروج و زوال، خوشی و غم، خوش نصیبی و بد نصیبی، عزت و ذلت اور ان جیسے تمام امور میں جس چیز کا بڑا ہی عمل دخل ہے، وہ یہی سوچ ہے!! اس سے یہ بات بہ خوبی واضح ہوجاتی ہے کہ سوچ کی درستی کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ سوچ سے ارادے اور عزائم وجود پاتے ہیں اور انہی ارادوں اور عزائم کی بنیاد پر انسانی کردار وجود میں آتا ہے، گویا کہ سوچ ہر کردار کی بنیاد ٹھہری۔

مثبت و منفی سوچ اور سوچنے کے دو مختلف انداز:

کسی معاملے میں اچھی اور مفید سوچ کو مثبت سوچ، جبکہ اس کے مقابلے میں بُری اور نقصان دِہ سوچ کو منفی سوچ کہا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مثبت سوچ راحت اور خوشی کا باعث بنتی ہے جبکہ منفی سوچ تکلیف اور نقصان کا سبب بنتی ہے۔ جب انسان کی سوچ منفی ہو تو اس کے دل و دماغ اور گفتار و کردار سب اسی منفی مزاج سے متاثر ہوتے ہیں اور ان میں اس منفی سوچ کی جھلک واضح نظر آتی ہے، جب کہ مثبت سوچ کے حامل افراد کے دل و دماغ اور گفتار و کردار اسی مثبت مزاج کا پتا دے رہے ہوتے ہیں۔ گویا کہ مثبت سوچ اور منفی سوچ دونوں کا نتیجہ بھی مختلف ہوتا ہے، ہم جس انداز سے سوچیں گے اس کا نتیجہ بھی اسی طرح برآمد ہوگا کیوں کہ برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے جو اس میں موجود ہوتا ہے اور کاٹا وہی جاتا ہے جو بویا جاتا ہے۔

مثبت و منفی سوچ کی چند مثالیں:

۱۔ دو شاعر کسی باغ میں گئے، ان میں سے ایک شاعر خوش ذہن تھا جبکہ دوسرا غم زدہ۔ دونوں کی نگاہ ایک کھلے ہوئے پھول پر پڑی۔ خوش مزاج شاعر نے کہا کہ یہ پھول بھی میری طرح خوش ہے، مسکرا رہا ہے، کِھل کِھلا رہا ہے۔ جب کہ غم زدہ شاعر کا کہنا تھا کہ اس پھول کو بھی کسی نے زخمی کردیا ہے، تبھی تو یہ سرخ ہے، غم سے اس کا سینہ بھی میری طرح چاک ہے۔

۲۔ ایک کمرے میں میز پر آدھا گلاس پانی رکھا ہوا تھا، وہاں موجود دو آدمیوں میں سے ایک نے کہا کہ ''گلاس آدھا خالی ہے،'' جبکہ دوسرے نے کہا کہ ''الحمدللہ! آدھا بھرا ہوا ہے۔'' غور کیجیے کہ بات ایک ہی ہے لیکن زاویۂ نگاہ کا فرق ہے۔

۳۔ دو آدمیوں کی تنخواہ برابر تھی، اور وہ ان کی ضروریات کے لیے کافی بھی ہوجایا کرتی تھی۔ کچھ مہینوں بعد ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یار! تنخواہ اس قدر کم ہے کہ مہینے کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے، اب تک میں کچھ بھی اضافی رقم جمع نہیں کرسکا۔ جبکہ دوسرے نے کہا کہ الحمدللہ! تنخواہ ضروریات کے لیے کافی ہوجاتی

ہے اور آج تک کسی ضرورت کے لیے کسی سے قرض لینے کی نوبت نہیں آئی۔

۴۔ایک مارکیٹ میں دو دوستوں کی دکانیں تھیں، ایک دن وہاں آگ لگی اور اس قدر بھڑک اٹھی کہ ساری دکانیں جل کر راکھ ہوگئیں، جن میں ان دو دوستوں کی دکانیں بھی شامل تھیں۔ ایسی سنگین صورتِ حال میں ان میں سے ایک دوست تو انتہائی مایوس ہوا اور لوگوں سے شکایت کرتا پھرنے لگا، کبھی اپنی قسمت کو کوستا، کبھی اللہ سے شکایت کرتا، انجام کار یہ کہ وہ کسی قابل نہ ہوسکا، بلکہ مزید پستی کی طرف چلتا چلا گیا، جب کہ دوسرا دوست مثبت سوچ کا حامل تھا، اس نے اس مصیبت کے وقت ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، اس آفت پر صبر کیا، اپنے آپ کو سنبھالا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمت کر کے دوبارہ اسی محنت ومشقت میں لگ گیا، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہی شخص دوبارہ اسی مقام تک پہنچ گیا۔غور کیجیے کہ دونوں کو ان کی سوچ نے ہی اس انجام تک پہنچایا۔

۵۔ایک شاکی مزاج شخص شکوہ کرتا ہے کہ آخر پھول کے ساتھ کانٹے کیوں ہوتے ہیں، جبکہ شاکر مزاج شخص یوں کہتا ہے کہ اچھا ہے کہ کانٹوں کے ساتھ پھول بھی ہیں۔

۶۔دو آدمی کسی جنگل میں جا رہے تھے تو ان کے سر پر سیب آگرا، جس پر ایک نے شکایت بھرے لہجے میں سیب گرنے کی تکلیف کا اظہار کیا، جبکہ دوسرے نے کہا کہ شکر ہے کہ سیب ہی گرا ہے، ورنہ اگر اس کی جگہ تربوز ہوتا تو کیا ہوتا!!

۷۔ایک بزرگ راستے میں جا رہے تھے تو ان کے کسی مخالف نے ان پر کچرا پھینکا تو انہوں نے جھٹ سے فرمایا کہ شکر ہے کہ سستے میں جان چھوٹی، ورنہ تو یہ سر اسی قابل ہے کہ اس پر آگ برسائی جائے!!

ان تمام واقعات اور مثالوں سے منفی اور مثبت سوچ کی حقیقت بخوبی معلوم ہوجاتی ہے۔

مثبت سوچ کی ضرورت واہمیت:

انسان ذاتی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک تمام تر امور اور مراحل میں انسان عزت، کامیابی، ترقی، راحت، سکون، محبت، خیر خواہی، ہمدردی، محبت، اتحاد واتفاق اور تعاون جیسے خوش گوار امور کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور یہی اس کی کوششوں کا محور ہوا کرتا ہے اور اس کی تمام تر کاوشیں اسی لیے ہوتی ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں انسان اپنے آپ کو ناکامی، پستی، بے چینی، بے سکونی، اختلاف، انتشار، نفرت، عداوت اور حسد جیسے تباہ کن امور سے بچانے اور دور رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مفید چیزوں کو حاصل کرنے اور نامناسب امور سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمارے اقدامات کیا ہیں؟؟ ظاہر ہے کہ ہمیں اس کے لیے کوشش کرنی ہوگی اور اس کوشش کی ابتدا سوچ کی درستی سے ہی ہوسکتی ہے کیوں کہ اوپر بیان ہوچکا کہ ہر عمل اور کردار کی بنیاد انسانی سوچ ہے۔سوچ میں بہتر تبدیلی اور سوچ کی اصلاح سے کردار ترقی پاتا ہے اور کامیابی کے منازل طے کرتا ہے حتیٰ کہ وہ معاشرے کے لیے ایک مثال بن جاتا ہے۔ اس تفصیل سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ سوچ کی درستی اور مثبت سوچ کا حصول کس قدر اہم ہے۔

مثبت سوچ سراسر خیر اور مفید ہے جبکہ منفی سوچ کسی اعتبار سے مفید نہیں ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مثبت سوچ نے انسانی زندگی کو ہمیشہ خیر اور کامیابی سے نوازا ہے جبکہ منفی سوچ نے ذات سے لے کر معاشرے تک ہمیشہ نقصان اور بربادی کا سامان مہیا کیا ہے۔

سوچ اور حقیقت میں فرق:

ضمن میں یہ بات بھی سمجھنا اہم ہے کہ بہت سے مواقع میں ہم بے بنیاد سوچوں کا سہارا لے کر حقائق کو نظر انداز کر کے فیصلے کر رہے ہوتے ہیں، دوسروں کے بارے میں بے بنیاد رائے قائم کر رہے ہوتے ہیں، جبکہ ان خیالات کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہمیں خصوصاً دوسروں سے متعلق زیادہ گمان قائم کرنے سے منع فرمایا ہے کیوں کہ یہی اندازے دوسروں سے متعلق بدگمانی کا سبب بنتے ہیں جو کہ بذاتِ خود قران وحدیث اور عقل دونوں اعتبار سے مذموم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلا دلیل حرکت ہے، کیوں کہ دوسروں سے متعلق بُرا گمان قائم کرنے کے لیے دلیل اور ثبوت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے ایسا کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت میں مجھ سے اس سوچ کی دلیل مانگ لی تو میرے پاس کیا جواب ہوگا؟؟ اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص میرے بارے میں ایسی کوئی غلط سوچ قائم کرلے تو میرا ردعمل کیا ہوگا اور مجھ پر کیا بیتے گی!! معلوم ہوا کہ ''ہمیں گمانوں سے زیادہ حقائق پر انحصار کرنا چاہیے۔''

صبح

ابن سلطان

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

الفاظ و معانی

سحر: صبح، فردا: آنے والا کل، امروز: آج

تشریح:

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ یہ صبح جو ہر روز سورج کے نکلنے سے پیدا ہوتی ہے جو کہ کبھی 'آج' کہلاتی ہے اور کبھی 'کل'، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ کب کہاں اور کیسے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی مجھے اس روز روز نکلنے والے سحر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ سحر و شام جو وقت گذاری کی علامت ہوں اس سے کیا دلچسپی رکھنا؟

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

الفاظ و معانی

شبستان: خواب گاہ، اور اسے رات کے وقت سجائی ہوئی محفل

تشریح

اصل صبح تو وہ صبح ہے جو آرام دہ خواب گاہ میں لرزہ پیدا کردے اور سوتے کو جگادے اور ایسی صبح صرف بندۂ مومن کی اذان سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وہ صبح ہے جو انسانی زندگی کی تاریکیوں کو روشنی میں بدل دیتی ہے۔ اسی رات کی تاریکی سے نکال کر نئی صبح میں لے آتی ہے۔

جب ایک جانور نے مجاہدین کی مدد کی

امیر لشکر ھرم بن حیان مسلمانوں کی ایک فوج کے ساتھ اصطخر (ایران کا ایک شہر) کے نزدیک قلعہ جور کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ محاصرے نے طول پکڑ لیا ہے، فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔ اہل فارس قلعہ بند ہوکر مقابلہ کررہے ہیں۔ جھڑپیں تو روزانہ ہو رہی ہیں لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل پا رہا ہے۔ امیر لشکر اسلام نے جب جائزہ لیا تو محسوس کیا کہ تعلق باللہ سے مزید وابستگی ہی اس قلعہ کو فتح کرا سکتی ہے، چناں چہ امیر لشکر نے خود روزہ رکھنا شروع کردیا۔ دن بھر روزے کی حالت میں قلعہ والوں سے جنگ کرتے اور رات کو خدا کے حضور عاجزی و انکساری سے فتح و کامرانی کی دعا کرتے۔

روزے کا ساتواں دن تھا، آج بھی جب افطار میں امیر لشکر کو صرف پانی ہی ملا تو امیر لشکر نے خادم سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم افطار میں مسلسل صرف پانی ہی دے رہے ہو۔ مجھ پر ضعف طاری ہوتا جارہا ہے۔ تم سے کھانا رکھنے کی تاکید بھی کی لیکن صرف پانی ہی مل رہا ہے۔ خادم نے کہا: امیر محترم! میں تو روزانہ آپ کے لئے کھانا بھی رکھتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آخر کھانا غائب کیسے ہورہا ہے؟ خادم کی بات امیر لشکر کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ آخر کار آج خادم کھانا رکھ کر قریب ہی چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں ہی دیکھتا ہے کہ افطار کے لئے امیر لشکر کی آمد سے قبل ایک کتا آیا اور کھانا اُٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ خادم بھی اس کتے کے پیچھے چل پڑا۔ خادم نے دیکھا کہ کتا شہر سے نکلنے والے گندے پانی کی نالے میں جا گھسا اور پار کرکے شہر کے اندر چلا گیا۔

خادم نے لوٹ کر امیر لشکر کو سارا واقعہ کہہ سنایا، امیر لشکر سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف سے رہنمائی ہے۔ اگلے دن جب معرکہ شروع ہوا اور قلعہ بند مشرکین جنگ کرنے لگے تو اسی وقت اس گندے نالے کے ذریعہ مسلمانوں کا ایک دستہ شہر کے اندر داخل ہوگیا۔ پھر تھوڑی سی کوشش سے مسلمان قلعہ کے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور ایک بلند آہنگ نعرے کے ساتھ قلعہ کے گیٹ کو کھول دیا۔ ادھر باہر سے مسلمانوں کا لشکر قلعہ کے اندر داخل ہوگیا، اور مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کرلیا۔ یہ واقعہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے کا ہے۔

سورہ جاثیہ آیت نمبر ۱۳ میں ہے: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ یعنی اللہ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو بندۂ مومن کے لئے مسخر کردیا ہے۔ یہ آیت اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے کہ اگر ہم اللہ کے ہوگئے تو کائنات کی ہر چیز ہمارے لئے ہوگی اور ہمارے مشن میں معاون ہوگی، ان شاءاللہ۔

مسلمان خواتین کی بہادری (۵)

سلیمان ندویؒ

۱۷۸ھ ہجری میں ہارون رشید کے زمانے میں ولید بن طریف خارجی نے خابوراور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فروکرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی اورولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہواتو اس نے زرہ پہنی، ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر سوار ہوکر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی۔ یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا اور فارعہ سے کہا: تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہوتی ہو، جاؤ اور واپس جاؤ۔ فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اس کی زبان پر خود اس کی تصنیف کے دردناک اشعار تھے۔

فیا شجر الخابور مالك مورقا
كانك لمتجزع على بن طريف
فتى لا يحب الزاده لامن التقى
ولا المال الامن قنا دسيوف
فقدناك فقدان الشباب وليتهٔ
فديناك من فتياننا بالوف
عليه سلام الله وقفا فاننے
ارى الموت وقاعاً بكل شريف

ترجمہ: اے خابور نامی مقام کے درخت تم کیوں سرسبز ہو! گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے، ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھویا ہے جس طرح جوانی کو کوئی کھودے۔ کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے! ولید پر خدا کی رحمت ہو۔ موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے۔

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پُردرد ہے کہ اکثر علماء ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی خنساء کے ہم پلہ ہیں۔ اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے کہ عموماً علماء بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔ ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے۔ لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلی بتایا ہے۔ ابن خلدون نے اس واقعہ کا تو ذکر کیا ہے لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے۔ بہرحال، ہم کو کام سے غرض نام کچھ بھی ہو۔

قرون وسطی میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں میں نشہ چھایا تھا، بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں، عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کا جو جوش پھیلا تھا، مسلمان عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں۔ اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا ہے، تو اس کی ماں اور بہن بھی اس کے ساتھ تھیں۔ دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں۔ (از حقوق المرأۃ الاسلام)۔

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ جب وہ تھک گئے اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ ورسم پیدا ہوگئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ، عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہئے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر سے اور کچھ مسلمان بچے ادھر سے نکلے۔ دیر تک مقابلہ رہا، آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیڑوں کے میمنوں کی رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا۔ (الفتح القسی فی الفتح القدسی)۔

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا، لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں جن کی بہادری، شجاعت، اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔ شاہ التمش کی

بیٹی رضیہ سلطان جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی، مگر سب سے بہتر کی۔ ابن بطوطہ، جو محمد تغلق کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا، لکھتا ہے کہ ''رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔'' شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے تو کل بیگمات وکنیز بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہونچ گئی ہوتی تو بادشاہ بُری طرح زخمی ہوگیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے وار کئے کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔ تخت حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیان دولت تک کانپتے تھے۔ بعض امراء نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ نظام الملک، وزیر سلطنت، ملک اعزالدین، ملک سیف الدین، ملک علاء الدین وغیرہ جو سلطنت کے دست وبازو تھے، مخالف ہوگئے اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لئے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اس کو بھی توڑ کر ملاتے تھے۔ لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر ودلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ اِدھر اُدھر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے، پر ان کو پناہ نہیں ملتی تھی۔ 637ہجری میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد جھٹنڈ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہوگئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معزالدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا۔ رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دے کر، دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لئے لڑی۔ لیکن چوں کہ رضیہ کی فوج بالکل نئی بھرتی کی گئی تھی، اس لیے ہمیشہ شکست کھاتی رہی ۔(تاریخ اکبری قلمی از ملا نظام الدین)۔

اس سلسلہ میں سلطان علاء الدین کے عہد کا ایک عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ اس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ شاہانِ ہند کے مرقع میں علاء الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے، جس کے چہرے سے اولوالعزمی بلندی خیال، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹادیا جس کو نہ بغداد وخوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تھیں، اور نہ ایران وروس کی طاقتیں دبا سکی تھیں، تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے ایک دن بر سبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے۔ قلعہ جالور کا راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا اس نے نہایت بد دماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا، کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہوسکتا۔

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کردیا اور مہلت دی کہ راجہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کرلے۔ اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا۔ گل بہشت اپنی فوج لئے ہوئے برق وباد کی طرح جالور پہنچی۔ راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہوگیا۔ گل بہشت نے راجہ کو محصور کرلیا اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا کہ راجہ کو اس کا گیان تک نہ تھا۔ قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی۔ گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔ گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہوگیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹادیا، گل بہشت کا لختِ جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہونچ کر جالور فتح کرلیا۔ (تاریخ فرشتہ، جلد اول، صفحہ 138)

Junaid Khan Ghawri
9921125568
PACIFIC MEDICAL AGENCY پیسفک میڈیکل ایجنسی
Mankarna plot, Gawli pura, MM Road Akola.444001

بڑا آدمی کون ہے؟

بشیر جمعہ

دنیا میں کامیابی انہی لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے آپ کو پہنچانتے ہیں۔اپنی خامیوں کو دور کرتے ہیں۔اپنی خوبیوں میں اضافہ کرتے ہیں،اپنے وقت کو بہتر طریقہ سے استعمال کرتے ہیں،ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور رات کو سونے سے قبل اپنا احتساب کر لیتے ہیں۔شیر شاہ سوری نے پانچ سال کی مختصر مدت میں وہ تعمیری، تنظیمی اور اصلاحی کارنامے انجام دیئے جن کے لئے ایک صدی کی مدت درکار تھی۔انہوں نے اپنا شیڈول بنایا تھا اور معاملات میں توازن رکھا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''بڑا آدمی ہو ہے جو اپنا سارا وقت ضروری کاموں میں صرف کرے۔'' ذیل میں ہم ڈائری کے انداز میں شیر شاہ سوری کا نظام الاوقات (شیڈول) تحریر کرتے ہیں۔

الف: بعد از نصف شب بیداری

۱۔فراغت، غسل، نوافل، دعائیں، اذکار وظائف

۲۔مختلف محکموں کے حسابات اور امور کا جائزہ

۳۔اگلے دن کے لئے حسابات اور امور کا جائزہ

۴۔آنے والے دن کے پروگرام کی ترتیب۔

ب: نماز فجر اور اس کے بعد دوپہر تک

۱۔وضو، باجماعت نماز، ذکر و فکر و اوراد و وظائف ، نماز اشراق ، اس دوران مختلف ذمہ داران حکومت سے ملاقاتیں جو اس وقت حاضر ہوتے۔

۲۔لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے،اور عنایات کرتے۔

۳۔لوگوں کے مقدمات کی طرف توجہ کرتے ،فریادیں سنتے اور حاجت براری کرتے۔

۴۔فوج اور ان کے ہتھیاروں اور تیاریوں کا معائنہ کرتے۔

۵۔فوج میں بھرتی ہونے کے خواہش مند لوگوں سے انٹرویو کرتے۔

۶۔ہر روز کی آمدنی اور مالیت کو دیکھتے۔

۷۔ذمہ داران ،سفراء اور موثر لوگوں سے ملاقات ،درخواستیں سنتے اور حکم لکھواتے۔

ج: دوپہر کا کھانا: نماز ظہر

۱۔کھانے پر علماء مشائخ موجود ہوتے۔

۲۔قیلولہ کرتے اور ذاتی کام کاج نمٹاتے۔

۳۔نمازِ عصر باجماعت، قرآن پاک کی تلاوت۔

ہماری سرگرمیاں

الحمدللہ

مارچ 2 سے 4 آکولہ میں مہاراشٹر میں امین نشست بحسن خوبی انجام پذیر ہوئی جس میں میقات برائے 2019 تا 2021 کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: برادر ڈاکٹر عابد الرحمن، اورنگ آباد۔ **سکریٹری:** برادر فرحان رائے، بمبئی۔ **فائنانس سیکرٹری:** برادر سید رضوان، پوسد۔

کاروان عقاب: برادر نوشاد، آکوٹ۔ **آفس سکریٹری:** برادر رفیض الرحمن خان، ایوت محل۔ **میڈیا انچارج:** برادر جنید غوری۔

شورئی: برادر مونس، اورنگ آباد۔ برادر کاشف خان، آکولہ۔ برادر جنید غوری، آکولہ۔ برادر ارشاد، پونہ۔ برادر محبت مرزا، پوسد۔ برادر سید ریحان، پوسد۔ برادر جمیل، عمر کھیڑ۔ برادر فرحان رائے، بمبئی۔ برادر فیض الرحمن، ایوت محل۔

مارچ 03 سے 04 بنگال میں محسن نشست بحسن خوبی انجام پذیر ہوئی جس میں میقات برائے 2019 تا 2021 کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: برادر علی حسن سرکار۔ **سیکرٹری:** برادر رفیق الاسلام۔ **فائنانس سیکرٹری:** برادر نور الاسلام۔ **کاروان عقاب:** برادر حبیب اللہ

شورئی: برادر رفیق الاسلام۔ برادر نور الاسلام۔ برادر حبیب اللہ۔ برادر بحر الاسلام۔ برادر مشرف حسین۔ برادر سیف الاسلام۔ برادر حزیق الاسلام

مارچ 23 سے 24 یو پی میں محسن نشست بحسن خوبی انجام پذیر ہوئی جس میں میقات برائے 2019 تا 2021 کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: برادر عبدالواسع۔ **سکریٹری:** برادر عمار احسن۔ **فائنانس سیکرٹری:** برادر دلشاد۔ **کیمپس:** انتخاب ابھی باقی ہے۔ **کاروان عقاب:** انتخاب ابھی باقی ہے۔

شورئی: برادر عمار احسن۔ برادر دلشاد۔ برادر اکمل حیدر علی گڑھ۔ برادر اسامہ عظیم اعظم گڑھ۔ برادر محمد عاطف۔ برادر سعید احمد۔ برادر خبیب احسن

گرمیوں کے دن آگئے

کیا آپ بھی

شام، فلسطین، عراق، لیبیا اور افغانستان میں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کرنے والے اسرائیل اور امریکہ جیسے اسلام دشمن اور انسانیت دشمن ممالک کے مشروبات سے اپنی پیاس بجھائیں گے؟؟؟

میری پیاس

پیپسی، تھمس اپ، لمکا، کوکا کولا، مرنڈا، اسپرائٹ جیسے اسرائیلی اور امریکی مشروبات سے نہیں بجھ سکتی۔۔۔!!!

اس لیے کہ میں ایک انسان ہوں اور انسانیت کے قتل عام سے دکھی ہوں!!!

اک مسلمان ہوں میری آنکھوں کے سامنے شام اور فلسطین کے ننھے منے پھول جیسے لہولہان بچواں کی ایسی تصویریں ہیں جنہیں صرف اس لیے مار دیا گیا کہ وہ مسلمان تھے۔۔!!!

کیا شوشل میڈیا یا اور اخبارات کے ذریعہ شام کے اس کمسن بچے کا وہ جملہ آپ تک نہیں پہنچا؟؟

جس نے نہ جانے کتنے لوگوں کے احساس کو بیدار کر دیا ہوگا، اس زخمی بچے نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جو آخری الفاظ کہے تھے وہ یہی تو تھے کہ

ظلم اور جبر و تشدد کی یہ پوری کہانی میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر ضرور بیان کروں گا۔۔

اللہ اکبر!!!

کیا تمہیں شام سے اردن کی جانب بھاگتے ہوئے اس چھوٹے سے مظلوم بچے کا حال نہیں معلوم؟

جو اکیلا تھا اس کے پاس نہ کھانے کو ایک لقمہ غذا تھی اور نہ پینے کو ایک قطرہ پانی تھا ایک تھیلی جو اپنے سینے سے لگائے وہ دوڑ رہا تھا۔۔۔

جب اس تھیلی کی تلاشی لی گئی تو اس میں اس کے شہید ماں باپ کے خون سے لت پت کپڑے تھے۔۔۔

جسے عقیدت اور محبت کی نشانی سمجھ کر وہ اپنے ساتھ لیے جا رہا تھا!!!!

دعا کیجئے اور وعدہ کیجئے کہ ظالموں کی ان چیزوں کا استعمال نہیں کریں گے۔

NUKUSH-E-RAH

MAHURD02592/2017
April -2019
Vol:-02 Issue: 03

ماہ نامہ

نقوش راہ

Islamic Youth Federation کا ترجمان

مقاصد:

- مسلکی ،گروہی و جماعتی اختلاف سے بالاتر ہوکر صرف اسلام کی ترجمانی کرنا۔
- بلاتفریق مسلک و جماعت تمام ہی اسلاف کے علمی کارناموں سے امت کو روشناس کرانا۔
- طلبہ و نوجوان کو اسلامی نظریات، اسلامی تاریخ، سیرۃ النبی، سیرۃ صحابہ، سیرۃ مجاہدین، سیرت اولیاء سے روشناس کراکر ان کے اندر اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔
- تمام طرح کے باطل افکار و نظریات سے طلبہ و نوجوان کو باخبر و ہوشیار کرنا۔
- طلبہ کے اندر علم کا صحیح مفہوم، صحیح شعور نیز ملک و ملت کیلئے اہل علم کی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا۔
- طلبہ و نوجوانوں کے اندر تحریری صلاحیت پیدا کرنا تاکہ وہ دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح ترجمانی کرسکیں نیز اسلام پر لگائے گئے الزامات کا مدلل جواب دے سکیں۔ اور دوسری زبان کے علمی سرمائے کو اردو داں کے سامنے پیش کرسکیں۔
- حالات حاضرہ میں پیدا شدہ مسائل کا اسلامی حل طلبہ و نوجوان کے سامنے پیش کرنا۔
- حالات حاضرہ کا صحیح تجزیہ اور لائحہ عمل طلبہ و نوجوان کے درمیان پیش کرنا۔
- مختلف طرح کے شکوک و شبہات کو دور کرکے طلبہ و نوجوان کی صحیح رہنمائی

لہذا آپ سے گذارش ہے کہ

☆ اس میگزین کیلئے اپنی تحریر ارسال کریں اس کی پرواہ کئے بغیر کہ آپ کے مضمون کا معیار کیسا ہے؟ آپ کے مضمون کی اصلاح کرکے ہم آپ کا مضمون ضرور شائع کریں گے۔

☆ دوسری زبان میں چھپے مضامین کا اردو میں ترجمہ کرکے بھی بھیج سکتے ہیں۔

☆ اپنے تخلیق کردہ اشعار، غزلیں، نظمیں، کہانیاں، ڈرامے، طنزیہ کلام و مضامین، حاصل مطالعہ، بک ریویو وغیرہ بھی ارسال کرسکتے ہیں۔

نوٹ:۔ درج بالا کسی بھی طرح کے مضامین بھیجیں ہم ضرور شائع کریں گے **بشرطیکہ** وہ ملت میں انتشار پیدا کرنے والی، فحش و برائی پر ابھارنے والی، اخلاق باختہ اور اسلامی افکار، نظریات و تعلیمات سے ٹکراتی ہوئی نہ ہوں۔

Nukush-e-Rah

1st Floor, Opp. Basera Apartment
Subhash Chowk, Akola-444001

0724-2434333 / 8266997613
nukusherah@gmail.com